647 بدھ 19 شوال 1436ھ مطابق 5 اگست 2015ء

برکت

بیٹیاں بھی سائبان ہوتی ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن

حق بات کی معرفت

اور جب وہ اس کتاب کو سنتے ہیں جو پیغمبر (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں، اِس لیے کہ اُنہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ اللہ کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم ایمان لے آئے تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ لے۔

﴿سورۃ المائدہ، آیات:83﴾

الحدیث

اللہ کی عبادت و معرفت

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو انہیں فرمایا: تم اہلِ کتاب کے پاس جارہے ہو، سب سے پہلے انہیں اللہ کی عبادت کی دعوت دو! جب وہ اللہ کو پہچان لیں تو انہیں فرض نمازوں کی تعلیم دو، پھر انہیں فریضۂ زکوٰۃ سے آگاہ کرو کہ زکوٰۃ اغنیاء سے لی جاتی ہے اور فقراء پر خرچ کی جاتی ہے۔

﴿صحیح مسلم﴾

پیا و سحر

اجر کمانے کا بہترین موقع

ملک کے مختلف حصوں میں ہونے والی موسلا دھار بارشوں نے ملک کے بڑے حصے کو متاثر کیا ہے...... اس وقت سیلاب نے سب سے زیادہ چترال میں تباہ کاریاں مچائی ہیں...... وہاں دریائے چترال اور دریائے تورکوہ سمیت تمام 13 چھوٹے بڑے دریاؤں میں شدید طغیانی ہے، جس کی وجہ سے وہاں ایمرجنسی نافذ کرکے اسے آفت زدہ علاقہ قرار دیا گیا ہے۔ وہاں اب تک آٹھ افراد سیلاب کی نذر ہوچکے ہیں...... اسی طرح جنوبی پنجاب میں لیہ، مظفر گڑھ، راجن گڑھ میں تو خوفناک سیلاب نے ماضی کی تباہ کاریوں کو بھلا دیا ہے۔ ہر طرف پانی ہی پانی دکھائی دیتا ہے۔ ہزاروں دیہات زیرِ آب ہیں اور اَن گنت بستیاں صفحۂ ہستی سے مٹ گئی ہیں۔ لاکھوں لوگ بے گھر ہوچکے ہیں۔ ضلع لیہ میں سیلاب 150 سے زیادہ اسکولوں کو بہا کر لے گیا۔ سیلاب نے بڑے بڑے طبقات ارضی کو اس طرح گھیر لیا ہے کہ خیمہ بستیوں کے لیے جگہ ملنا بھی مشکل ہوگئی ہے۔

خیبر پختونخوا اور پنجاب کے بعد سیلاب نے اب سندھ کا رخ کرلیا ہے۔ گھوٹکی میں بے شمار دیہات زیرِ آب آچکے ہیں۔

مصیبت پر مصیبت یہ ہے کہ اس وقت پاکستانی عوام میں اپنے بہن بھائیوں کی مدد کا وہ جوش و جذبہ بالکل دیکھنے میں نہیں آرہا جو پچھلے برسوں میں نظر آیا کرتا تھا۔ میڈیا نے بھی سیلاب کی تباہ کاریوں کو وہ اہمیت نہیں دی جو دینا چاہیے تھی۔ مخیّر حضرات بھی کم متوجہ ہیں۔

حکومت سوائے نمائشی اقدامات اور دکھاوے کی بیان بازی کے کچھ نہیں کررہی۔ ممکن ہے عوام کے متوجہ نہ ہونے کا سبب وہ رپورٹس ہوں جو گزشتہ آفات کے مواقع پر ہمارے وزراء اور سرکاری افسران کے امدادی رقوم اور سامان وغیرہ کو ذاتی عیاشیوں میں صرف کرنے پر مشتمل ہیں! مگر جان لیجیے کہ دینی فلاحی تنظیموں کا ریکارڈ بالکل شفاف ہے۔ آپ حکومت یا مغربی این جی اوز کے علاوہ کسی بھی واقعی دینی فلاحی تنظیم پر اعتماد کریں گے تو ان شاء اللہ کبھی آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچے گی۔ اس وقت اشد ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان بے سہارا لوگوں کی امداد کے لیے آگے بڑھیں۔ اگر زکوٰۃ ادا کرچکے ہوں تو نفلی صدقے کی ہمت کرلیں۔ اناج، کپڑے اور دیگر اشیائے ضرورت سے ان کی مدد کریں۔

ہم ان سطور کے ذریعے اپیل کرتے ہیں کہ ہمارے قارئین علمائے کرام کے زیرِ نگرانی معمار ٹرسٹ پر اعتماد کریں اور اپنی رقوم اور عطیات معمار ٹرسٹ کے سپرد کریں۔

یہ آخرت کا اجر کمانے کا بہترین موقع ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہمیں دنیا میں بھی محفوظ رکھے گا اور آخرت میں بھی...... بصورتِ دیگر کوئی بعید نہیں کہ ہم بھی قدرت کی پکڑ کی زد میں آجائیں کہ بڑے شہروں مثلاً کراچی میں تباہ کن بارشوں کے بارے میں حکومتی محکمے امکانات ظاہر کرچکے ہیں...... اللھم احفظنا منھم

والسلام مدیر مسئول

مدیر اعلیٰ: مفتی فیصل احمد | مدیر: انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان | مدیر مسئول: محمد فیصل شہزاد

"خواتین کا اسلام" دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 02136609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

خواتین کا اسلام انٹرنیٹ پر www.dailyislam.pk سالانہ زرِ تعاون اندرونِ ملک: 600 روپے، بیرونِ ملک: 3700 روپے

مشابہت

شمسہ کنول بنت عبدالرزاق۔ ایبٹ آباد

شورش سے بھاگتا ہوں، دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

علامہ اقبال کے اس شعر کی عملی تفسیر ہونے کے سبب جن کاموں سے اسے اپنی جان جاتی محسوس ہوتی، ان میں سرفہرست بازار جانا تھا۔ دھواں، شور، آلودگی اور افراتفری اسے عجیب سی گھبراہٹ میں مبتلا کر دیتے، لیکن اس سب کے باوجود کبھی کبھار چکر لگانا پڑ ہی جاتا...... ایسے ہی ایک روز جب اسے بابا اور بھابھی کے ہمراہ بازار جانے کا اتفاق ہوا۔ کام نمٹانے کے بعد جب وہ گھر لوٹنے لگے تو بابا کی نظر ایک دکان پر پڑی اور انہیں یاد آیا کہ ایک سفری بیگ بھی خریدنا ہے۔ ”بیٹا! کیوں نہ ایک عدد سفری بیگ لیتے چلیں؟“

”جیسے آپ کی مرضی!“ کہتے ہوئے اس نے بھی ان کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔ دکان والے چچا نے اس کے بابا کو بڑے ادب سے ”السلام علیکم حاجی صاحب!“ کہا تو وہ حیران ہوئی تھی، جو اس وقت مزید بڑھ گئی جب ایک بیگ کے متعلق بابا کے پوچھنے پر اس نے کہا تھا۔

”یہ تو بہت بڑا ہے، تھوڑا چھوٹا دیکھ لیتے ہیں۔“ تو دکان دار چچا بولے۔

”نہیں بیٹا! مدرسے والی اکثر بچیاں یہی سائز خریدتی ہیں، یہی ٹھیک رہے گا۔“

”بھابھی! میں نے تو کبھی کسی مدرسہ کی صورت بھی نہیں دیکھی؟“ اس نے بھابھی سے سرگوشی کی۔ بھابھی نے مسکرا کر کہا۔ ”ہوسکتا ہے تمہارا حلیہ مدرسہ سے تعلق ظاہر کر رہا ہو۔“ اور وہ حیران حیران سی اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

”السلام علیکم استاد جی! کہاں چلے گئے تھے آپ، بہت عرصہ بعد نظر آ رہے ہیں۔“ چلتے چلتے کسی نے سلامتی بھیجی تھی بابا پر اور وہ ایک بار پھر حیران رہ گئی، کیوں کہ بابا نے تو کبھی کہیں کچھ بھی تو نہیں پڑھایا تھا۔ ان کی تو ساری زندگی خاکی وردی میں گزری تھی۔

☆

بھری محفل میں خود کو تنہا کر لینے اور تنہائیوں کو آباد رکھنے کا فن اسے خوب آتا تھا، جب ہی تو بھری پری گاڑی میں وہ خالق ارض وسما سے محوکلام تھی۔

”الٰہی! ان چچا کی زبان مبارک کر دیجیے، میرے والدین بلکہ ہم سب کو اس پاک دیار کی زیارت کروا دیجیے، الٰہی عمل تو کوئی پلے نہیں لیکن جس حلیے کو دیکھ کر لوگ ہمیں آپ کا خیال کرتے ہیں، آپ بھی بس وہی حلیہ قبول فرمالیں، ہمیں حقیقی معنوں میں اپنا بنالیں۔“

آنکھیں بند کیے وہ خالق کائنات سے راز و نیاز کر رہی تھی، جب بھابھی کی آواز آئی۔ ”اترنا نہیں ہے کیا؟ ہمارا اسٹاپ آ گیا۔“ اور وہ چپ چاپ اتر آئی۔

☆

”بابا ناراض ہوں میں آپ سے......“ گھر میں داخل ہو کر بڑی سنجیدگی سے مذاق کیا تھا اس نے۔

”ارررے کس بات پر ناراض ہو گئی ہماری بٹیا؟“ بابا نے بڑی شفقت سے کہا تھا۔

”ہے جی، بالکل ہے یہ بتائیں حاجی صاحب کب سے ہیں آپ؟...... اور کون سا مضمون پڑھاتے ہیں، کبھی بتایا ہی نہیں آپ نے؟؟“

”ہاہاہا......“ قہقہہ لگایا تھا بابا نے، لیکن اس قہقہے میں بھی عجب سی حسرت نمایاں تھی۔

”بس بیٹا! اپنے آپ کو اس کے فرمان کے مطابق ڈھالنے کی پوری کوشش کرتا ہوں، داڑھی اور ٹوپی دیکھ کر انجان لوگ حاجی صاحب کہہ کر ہی پکارتے ہیں لیکن لوگوں کا کیا ہے، مزا تو تب ہے کہ یوم حشر وہ اپنا کہہ کر پکاریں اور رہ گئی بات استاد جی کی، تو جس بندے نے مجھے استاد جی کہہ کر پکارا تھا، ان کے گاؤں میں کافی عرصہ پہلے ایک مولوی صاحب امامت کرواتے تھے، جن کی صورت بہت حد تک مجھ سے ملتی ہے اور اسی مشابہت کی بنا پر اسے غلط فہمی ہو جاتی ہے، لیکن کبھی کبھار سوچتا ہوں کہ جب اس کے بندے اس حلیے کی بنا پر اللہ کا سمجھتے ہیں، شاید وہ بھی اپنے محبوب کی سنتوں سے مشابہت ہی قبول فرمالیں۔“

ان شاء اللہ! سب نے کہا تھا بہت یقین سے......

جے میں ویکھاں عملاں ولے، کجھ نئیں میرے پلے
جے میں ویکھاں رحمت رب دی بلے بلے بلے

پردے کی فضیلت

برائے حسینان محسن ہے پردہ
کہ عورت کی عفت کا ضامن ہے پردہ

معاصی اندھیرا ہے نیکی اجالا
ہے بے پردگی رات تو دن ہے پردہ

بیاں کیجیے پردے کی کیا کیا فضیلت
کہ مجموعہ ہائے محاسن ہے پردہ

تو فحاشی عریانی خود ہو گی آؤٹ
ہمارے گھرانے میں گر اِن ہے پردہ

کرے سدِ باب رہِ بدمعاشی
شرافت کا دراصل سائن ہے پردہ

نہ کیوں اہلِ ظاہر کے حق میں اجل ہو
کہ پروردۂ اہلِ باطن ہے پردہ

اسالیب شرم و حیا کا محافظ
مضامینِ مخرب کا ماخ ہے پردہ

ہیں اب بھی روایاتِ اسلاف باقی
بہت کم ہے موجود لیکن ہے پردہ

محلاتِ زردار محروم اکثر
دیارِ مساکیں میں ساکن ہے پردہ

کیا باحمیت خواتین نے ثابت
اثرؔ دورِ حاضر میں ممکن ہے پردہ

اثرؔ جونپوری

سیرت صحابہ میں سے ایک جھلک

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ جب کسی جہادی معرکے پر روزانہ ہونے لگتے تو ان پر عجیب طرح سے لرزہ طاری ہو جاتا، لیکن جب انہیں دبایا جاتا تو لرزہ فوراً ختم ہو جاتا اور بلا کی قوت پیدا ہو جاتی، پھر وہ دیوانہ وار گھمسان کی جنگ میں کود پڑتے۔

اسی طرح صحابیِ رسول حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد کے دن سر کے گرد سرخ رومال لپیٹے ہوئے بڑے ناز سے چل رہے تھے، انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے ایک تلوار عطا فرمائی تھی۔

صدف افضال، کراچی

مار یا پیار

سارہ الیاس، ڈیرہ غازی خان

جونہی میں گلی میں داخل ہوا، ہم جولیوں سے کھیلتی عالیہ انہیں الوداعی سلام کرتی دوڑ کر میری طرف آ گئی۔ ”سلام بھائی جان!“

”وعلیکم السلام! عالیہ پورا سلام کرتے ہیں بیٹا۔“ میں نے کہا تو اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور میری انگلی تھامے گھر میں داخل ہوگئی۔

جب تک میں ہاتھ منہ دھو کر فارغ ہوا، تانیہ کھانا لگا چکی تھی۔ وہ، علی اور عالیہ تینوں دسترخوان کے گرد بیٹھے میرا انتظار کر رہے تھے، میں مسکرا دیا۔ کچھ سال پہلے کے مناظر میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔

کام سے واپس آ کر میں نے دیکھا کہ عالیہ مٹی میں لتھڑی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل کود میں مگن ہے۔ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ کر وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

”عالیہ بیٹا! گھر چلو، کھانا کھالو۔“ میں نے پیار سے پکارا تھا۔

”بھوک نہیں بھائی۔“ اس نے جواب دیا۔

”چلو!“ اس کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے میں نے گھر میں داخل کیا اور علی کو ڈھونڈنے نکل کھڑا ہوا۔ دوسری گلی میں وہ پھٹے گٹر کے ساتھ بیٹھا کنچے کھیل رہا تھا۔

”ہزار مرتبہ منع کیا ہے پھر بھی باز نہیں آتے۔ وہ پکنک پوائنٹ ہے تمہارا؟“ کس کر دو تھپڑ لگا کر اسے بھی کھینچتا ہوا گھر لایا۔ بازار سے لایا کھانا برتنوں میں نکالا تو نیا تماشا شروع تھا۔ ”میں نے بوٹی نہیں کھانی۔“

”بھائی جان! بھوک نہیں ہے۔“ انہیں روزانہ کی مقرر کردہ خوراک (Dose) یعنی دو دو تھپڑ لگا کر زبردستی کھانا کھلایا۔ پھر ڈانٹ ڈانٹ کر ان سے کپڑے تبدیل کروائے اور بستروں میں گھسا دیا۔ پھر سکون کا سانس لیا۔ جانتا تھا یہ سکون عارضی ہے، کیونکہ دس منٹ بعد عالیہ نے واش روم جانا ہوگا، علی کو مچھر کاٹیں گے۔ پھر دونوں امی ابو کو یاد کر کے روئیں گے اور میرے ڈانٹنے پر ”آپ بہت برے ہیں بھائی!“ کہہ کر سسکیاں بھرتے بھرتے سو جائیں گے اور صبح انہیں اسکول کے لیے تیار کرانے اور ناشتا کرانے سے یہی قصہ پھر سے شروع ہو جائے گا۔

بہت بڑا حادثہ تھا۔ امی ابو ایک ٹریفک حادثے کا شکار ہو گئے تھے۔ اب ان دو چھوٹوں کا سرپرست میں ہی تھا۔ یہ بھی اللہ کا کرم تھا کہ ابا مکان کے معاملات میں مجھے شریک رکھتے، سو کاروبار کی سمجھ بوجھ تھی۔ چنانچہ پڑھائی ادھوری چھوڑ کر کام شروع کر دیا مگر یہ دونوں ابھی بہت چھوٹے تھے۔ نئے حالات انہیں سمجھ نہ آ رہے تھے اور انہیں سنبھالنا میرے بس میں نہ تھا۔ عالی اگرچہ ابھی ننھی سی تھی مگر امی ہمیشہ اسے چھوٹا سا اسکارف اوڑھا کر باہر بھیجتی تھیں۔ علی اور اس کے باہر کھیلنے کا وقت مقرر تھا اور وقت تو شاید ہر چیز کا مقرر تھا جبھی اب ہر وقت افراتفری مچی رہتی تھی۔

ان حالات میں انہیں کنٹرول کرنے کا ایک ہی نسخہ مجھے درست معلوم ہوا۔ وہ تھا غصہ مگر اس طرح امی ابا کے بعد وہ پیار کرنے والے بھائی جان سے بھی محروم ہو گئے تھے اور اس کی جگہ ایک غصیلا اور بہت جھٹ بھائی صاحب آ گیا تھا جو بات بے بات انہیں مارنے اور ڈانٹنے لگتا ہے۔ رات کو انہیں سلا کر خود رونے لگتا ہے۔ ان کے پوچھنے پر کہ کیا ہوا، زکام کا بہانہ بناتا ہے اور علی کے یہ کہنے پر کہ یہ کیسا زکام ہے جو سوتے ہوئے روزانہ ہو جاتا ہے، انہیں ڈانٹ کر سونے کا کہتا ہے مگر میں کیا کرتا۔ ذرا نرمی دکھاتا اگلے دن عالی بغیر اسکارف لیے باہر کیچڑ میں چھینٹے اڑا رہی ہوتی۔ علی میاں باز و فریکچر کرا آتے۔ سو میں غصیلا بھائی صاحب بنا رہا مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ حربہ بھی ناکام ثابت ہونے لگا۔ وہ سب اس کے عادی ہو گئے اور مار کھا کر بھی اپنی مرضی کرتے رہے۔

اسکول سے آ کر وہ دونوں کچھ وقت محلے میں ادھر ادھر پھر کر گزارتے یا پھر اماں جی انہیں اپنے گھر لے جاتیں۔ یہ حال دیکھ کر انہوں نے ایک یتیم لڑکی ڈھونڈ کر میری شادی کروادی۔ اگرچہ میں بہت ڈرا ہوا تھا کہ نئی آنے والی جانے ان بچوں سے کیسا سلوک کرے، مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ عالی میں تانیہ کو اپنا بچپن نظر آنے لگا۔ وہ اسے بہت پیار کرتی اور علی کا بھی دھیان رکھتی تھی۔

اس کے آنے کے بعد جانے کس بات پر میں نے عالیہ کے پھول سے گالوں پر تھپڑ لگا دیا۔ وہ دہل کر کھڑی ہوئی اور ان دونوں کو لے کر کمرے میں چلی گئی۔ کچھ دیر تک بیٹھا میں ان کا انتظار کرتا رہا مگر کافی وقت گزر گیا اور وہ باہر نہ آئے تو میں اندر چلا گیا۔ اس صدی کا حیرت انگیز منظر میرے سامنے تھے۔ تانیہ اور عالیہ ایک دوسرے سے چمٹی رو رہی تھیں اور علی ان دونوں کو چپ کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے کچھ شرمندگی کا احساس ہوا۔ عالی کو اپنے پاس بلایا اور اسے بازار لے گیا۔ واپس آیا تو تانیہ جیسے جنگ کے لیے تیار بیٹھی تھی۔

”میرے ہوتے ہوئے اب ان معصوموں پر مزید ظلم نہیں ہوگا۔ غضب خدا کا، دل نہیں ڈرتا آپ کا، ننھی سی بچی ہے۔“

”تم نہیں جانتیں، آفت کی پرکالہ ہے۔ کبھی جو آرام سے بات مان جائے۔“ میں نے صفائی دی۔

”بچوں سے بات منوانے کا طریقہ ہوتا ہے۔ مار پیٹ انہیں ڈھیٹ اور خودسر بنا دیتی ہے۔ مار کا خوف ہونا چاہیے۔ یوں مار کر تو آپ ان کے دل میں یہ بات ڈال رہے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ دو چانٹے کھانے پڑیں گے، جو چاہے وہ کرلو۔“ اس کی بات میں وزن تھا اس لیے میں نے پوچھا۔

”تم ہی کہو میں کیا کروں؟“ اماں ابا تھے تو اتنی اچھی تربیت ہو رہی تھی ان کی۔ دونوں فرسٹ آتے تھے۔ علی دو پارے بھی حفظ کر چکا تھا، اب صرف کھیلنے پر دھیان ہے۔ آئے دن بیمار بھی ہو جاتے ہیں۔ سوچتا ہوں اگر انہیں کچھ ہو گیا یا یہ بگڑ گئے تو امی ابا کو کیا جواب دوں گا؟ تم کیا سمجھتی ہو میرا دل نہیں دکھتا ایسا رویہ اختیار کرتے ہوئے؟“ نہ چاہتے بھی دو آنسو میری آنکھوں سے ٹپک پڑے۔

وہ مسکرا کر کہنے لگی۔ ”نہیں بگڑیں گے۔ بچے پیار کی زبان سمجھتے ہیں نہ کہ مار کی۔ آپ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں اور باہر کے کام سنبھالیں۔ پانی کی موٹر خراب ہے، بجلی کے بل کی آخری تاریخ ہے اور یہ سامان کی لسٹ۔“ یوں بات آئی گئی ہوگئی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد میں نے ان میں واضح تبدیلی محسوس کی تھی۔ غیر محسوس انداز میں، میں ان کے معاملات پر نظر رکھنے لگا۔ یہ اتوار کا دن تھا۔ تانیہ نے دونوں کی پسند کا ناشتا بنایا تھا۔ اب طاقتور بننے کا کہہ کر بالکل امی کی طرح بڑے پیار سے انہیں ناشتا کروا رہی تھی۔ مجھے چائے کا گرم کپ پکڑا کر انہیں دودھ کے مگ دیتے ہوئے بتا رہی تھی کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا مرغوب تھا۔ پھر انہیں صاف ستھرے کپڑے پہنا کر ہمارے چچا کے گھر لے گئی۔ اپنے ہر کام میں انہیں شریک رکھا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی رہیں۔ ایک بار بھی انہوں نے باہر جانے کی ضد نہ کی تھی۔ چاکلیٹ کے لالچ میں ہوم ورک بھی آرام سے کرلیا۔ پھر کچھ دیر میرے ساتھ قریبی پارک چلے گئے۔ شاباش لینے کے چکر میں خود ہی رات کا لباس پہن اور دانت صاف کر کے آ گئے۔ پھر باتیں کرتے کرتے تانیہ سے چپک کر ”امی یاد آ رہی ہیں“ کہہ کر رونے لگے۔

تانیہ انہیں بہلانے لگی۔ ”پتا ہے، امی ابا بہت پیاری سی جنت میں بیٹھے ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم مل کر وہاں کا وہ راستہ ڈھونڈیں گے جو نیک اور اللہ کے پیارے بندوں کو ملتا ہے، پھر ان کے پاس جائیں گے۔ اچھا عالی! تم وہاں کیا کھاؤ گی؟“ ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے ہوئے وہ تینوں میٹھی نیند سو گئے۔

اور موٹی سی کتاب کے صفحے پلٹتے ہوئے میں سوچ رہا ہوں کہ ڈانٹ، غصہ اور مار پیٹ تربیت کا صرف ایک حصہ ہو سکتے ہیں نہ کہ ذریعہ، بچے پیار ہی چاہ رہے ہوتے ہیں، سو پیار کی زبان سمجھ لیتے ہیں۔

برکت

”نسیمہ بیٹی! دودھ میں اتنا پانی کیوں ڈال رہی ہو؟“

”خالہ جان! ذرا برکت ہو جاتی ہے دودھ میں۔“

”اچھا بیٹی پھر تو اور پانی ڈال دو، برکت تو جتنی زیادہ ہو اتنی اچھی ہوتی ہے۔“

”ارے نہیں خالہ جان! تین کلو دودھ میں ایک کلو پانی سے کام ہو جاتا ہے اور زیادہ پتلا بھی نہیں لگتا دودھ، ویسے میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی دودھ میں پانی ملا کر پیا کرتے تھے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے بٹیا! مگر میں نے یہ بھی سنا ہے کہ دودھ میں پانی ملانے سے دودھ کی چکنائی کا اثر کم ہوتا ہے اور بیٹی! یہ تو اس کے لیے فائدہ مند ہوگا جو موٹا ہو۔ آپ تو گھر میں سب ہی دبلے پتلے ہو اور پھر بچوں والا گھر ہے۔ بچوں کو تو اس عمر میں چکنائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیٹی! چھوٹے بچے تو کھاتے کم ہیں، دودھ ہی پیتے ہیں، دودھ بھی خالص نہ ملے تو بیٹی بچوں میں جسمانی و ذہنی نشو ونما پورے طور پر نہیں ہو پاتی جو کہ مختلف بیماریوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور بیٹی! اس عمر کی کمیاں تو ساری عمر نہیں پوری ہوتیں۔ پھر اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ ایسی بات بھی نہیں ہے کہ مالی طور پر کوئی کمی ہو۔ رفاقت میاں چھوٹے والے کو بھی تو ڈبے کا دودھ لا دیتے ہیں۔ بیٹی! آئندہ دودھ میں پانی نہ ملانا، ماں کا دل بھی برا ہوتا ہے۔“

”خالہ جان! بھابھی بیگم نے کہا ہے آپ سے۔“

”نہیں بیٹی! ہمیں محسوس ہوا ہے کہ دلہن بچوں کو دودھ پلانے سے کتراتی ہیں، وہ چاہتی ہیں کہ بچے کوئی ٹھوس غذا زیادہ کھائیں جبکہ یہ عمر تینوں بچوں کی زیادہ دودھ پینے کی ہے۔ اوپر تلے کے تو ہیں تینوں۔ یہ بھی اللہ کی دین ہے بیٹی! نہیں تھے تو نہیں تھے۔ تمہاری اماں بھی دعائیں کرتی تھیں۔ اب اللہ نے فضل کیا ہے تو اللہ کی حکمت ہے۔“

”خالہ جان جبھی تو ہر وقت اپنے بچوں میں لگی رہتی ہیں۔“

”ارے بیٹی! لگی کیا رہتی ہیں، لگنا ہی پڑتا ہے۔ چھوٹے بچوں کے ساتھ تو مانو، رات بھی ماں کے لیے دن ہی ہے۔“

”خالہ جان! کیا سب عورتیں بچوں کے ساتھ گھر نہیں سنبھالتیں؟“

”سنبھالتی ہیں بیٹی! کیوں نہیں سنبھالتیں، یہ رفاقت میاں کی دلہن بھی آٹھ سال ہوئے بیاہ کر آئے ہوئے۔ تم لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتی تھی، تب یہ ہی گھر کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ جب بڑا بیٹا ہوا رفاقت میاں کا تب بھی میں نے دلہن کو سارا گھر اچھے طریقے سے سنبھالتے دیکھا۔ یہ تو اب بیٹی تم لکھنے پڑھنے سے فارغ ہو کر گھر کی طرف متوجہ ہوئی تو بہو بیگم کو کچھ آرام ملا، مگر اب میں دیکھ رہی ہوں تم نے بہو بیگم کو گھر سے ایک طرح بے دخل ہی کر دیا ہے۔ بیٹی! بچوں کے ساتھ تو کام وقت بے وقت ہوتا ہے۔ صبح کے وقت تم باورچی خانہ سمیٹتی ہو، بوا سے صفائی کرواتی ہو، پھر ناشتے میں لگ جاتی ہو، بہو بیگم بڑے والے کو پڑھنے بھیجتی ہے، باقی دونوں کو صاف ستھرا کر کے ان کا کھانا پلانا کرتی ہے، فارغ تو وہ بھی نہیں ہوتی، مگر اگر بیٹی تم بچے دیکھ لو تو وہ ناشتہ بنا سکتی ہے۔ رفاقت میاں کو بھی ہم نے دیکھا، بالکل بچے نہیں پکڑتے۔ دلہن تو صبح روتے بچے کو چھوڑ کر بیت الخلا جاتی ہے۔ بیٹی گھر میں مل جل کر رہنے سے برکت ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا، نہ دلہن بیگم تم سے بولتی ہے، نہ تم دلہن بیگم کو مخاطب کرتی ہو۔ یوں بے برکتی تو خود بخود ہو جاتی ہے ایسے قطع تعلقی والے ماحول میں۔ تم بھی بہو بیگم کو عزت دو کہ وہ تم سے رشتے میں بڑی ہے۔ دیکھنا پھر وہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گی۔ ایسے چہکتی پھرتی تھی یہ اپنے رفاقت میاں کی دلہن جب بیاہ کر آئی، تمہاری اماں بیگم کے ساتھ بھی بڑا اچھا وقت بتایا ہے دلہن نے۔ اللہ بخشے ہماری اماں بیگم کہا کرتی تھیں، اپنی بھاوج کو سکھ دو گی تو خود بھی سکھی رہو گی۔ بندہ جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ ہر کام ہمارے گھر میں بھابھی بیگم کے مشورے سے ہوتا تھا۔ سودا سلف کی پرچی بن رہی ہے، گھر کوئی آ رہا ہے، کوئی کہیں جا رہا ہے، گھر کے کام بانٹے جا رہے ہیں ہر کام میں ہم بھابھی بیگم کی رائے کو مقدم رکھتے تھے، پھر دیکھ لو بیٹی! آج تک ہم اماں کی نصیحتوں کا پھل کھا رہے ہیں۔ اماں کے بعد بھابھی بیگم نے اماں سے بڑھ کر ہمارے لیے میکے کا مان رکھا ہے۔ دل سے دعا نکلتی ہے بھابھی بیگم کے لیے۔ ارے بیٹی! بیٹیاں تو بابل کے آنگن کی چڑیا ہوتی ہیں جنہیں ایک دن اڑنا ہی ہوتا ہے۔ آج بھاوج کے ساتھ خوش دلی سے رہو گی تو کل کو تمہیں بھی سسرال میں خوش دلی والا ماحول ملے گا۔“

”خالہ جان میں سارا دن تو لگی رہتی ہوں۔“

اہلیہ توفیق قریشی۔ ملتان

”بیٹی! گھر میں تو لگنا ہی پڑتا ہے۔ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ کسی وقت تم بچے دیکھ لیا کرو اور رفاقت میاں کی دلہن گھر کا کوئی کام دیکھ لیں۔ میں نے دیکھا ہے کھانے کے وقت ابھی وہ بچوں کو ہی کھلا پلا رہی ہوتی ہیں اور تم سارا دسترخوان سمیٹنے سے پہلے ہی برتن بھی دھو لیتی ہو۔ ہانڈی روٹی میں بھی تم یوں ہی جلدی مچاتی ہو۔ جو بات ہو گھر کے مشورے کی تم رفاقت میاں سے تو کرتی ہو، دلہن بیگم سے نہ پوچھتی ہو نہ بتاتی ہو۔ بیٹی! آخر کو گھر کی مالکن وہی بنیں گی آج تم جتنا بھی مہمان بنا دو۔ ہم مانتے ہیں تم ابھی ناسمجھ ہو اور شادی شدہ عورت کے اپنے بہت مسئلے ہوتے ہیں جو تم ابھی نہیں سمجھ سکتیں۔ اللہ تمہارے نصیبوں کو بھی بھاگ لگائے۔ کل شفقت میاں نے ہمیں اپنے موبائل میں سے ایک بات سنائی تھی، ہمارے دل کو لگی تھی، تمہیں بھی میں سناتی ہوں۔ ایک ماہر ڈاکٹر نے کہا کہ ”میں نے تیس سال مختلف دواؤں سے لوگوں کا علاج کیا، مگر اس طویل تجربے نے مجھے سکھایا ہے کہ انسان کے لیے سب سے بہترین دوا عزت اور محبت ہے۔ کسی نے پوچھا اگر اثر نہ کرے تو؟ اس نے کہا کہ دوا کی مقدار بڑھا دو۔“

وہ چپ ہوئیں تو نسیمہ ان کی شکل دیکھنے لگی۔ اسے یوں لگا تھا کہ جیسے سب کچھ اس کے سامنے آئینے کی طرح آ گیا ہو...... وہ شعوری طور پر تو کچھ بھی نہ کرتی تھی مگر لاشعوری طور پر یقیناً اچھا نہیں کرتی تھی جو خالہ جان کے متوجہ کرنے پر اس کے سامنے آ گیا تھا۔ وہ دل کی اچھی تھی۔ بولی: ”جی خالہ جان! میں اپنی پوری کوشش کروں گی۔ بھابھی بیگم کے ساتھ مل جل کر رہنے کی، آپ بھی دعا کیجیے گا۔“

”ہاں بیٹی! اللہ سب کے ساتھ آسانیاں کرے اور ہر ایک کا دل ملائے رکھے۔ کمی بیشی تو ہر ایک کے مزاج میں ہوتی ہے بیٹی۔ اللہ اپنے عیبوں پر نگاہ رکھنے والا بنائے۔“

”آمین......“ نسیمہ کے دل سے آواز نکلی۔

”بیٹی دودھ کو ابال آ گیا ہے، چولہا بند کر دو اور آئندہ برکت کے لیے مل جل کر رہنے والے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم والے نسخے پر عمل کرنا۔“

”نسیمہ مسکراتے ہوئے بولی: ”جی خالہ جان! آپ سچ کہہ رہی ہیں، یوں ہی کروں گی!“

خواتین کے دینی مسائل

مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

انسانی بالوں کی خرید وفروخت:

سوال: میں ایک اہم مسئلہ میں جناب سے رہنمائی چاہتا ہوں وہ یہ کہ انسانی بالوں کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ آج کل کئی لوگوں نے یہ کاروبار شروع کر رکھا ہے، گھر گھر جا کر یہ بال حاصل کرتے ہیں۔ کنگھی کرتے ہوئے عورتوں کے جو بال گرتے ہیں، انہیں وہ جمع کر کے رکھتی ہیں، ایسے بالوں کو اس کاروبار میں خاص ترجیح دی جاتی ہے۔ آگے ان بالوں کو مختلف مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً گنجے لوگوں کے استعمال کے لیے وگ تیار کی جاتی ہے، عورتوں کی زیب وزینت میں کئی طرح استعمال ہوتے ہیں، شرعاً یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں؟ اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔ (اعجاز احمد، صادق آباد)

جواب: انسان بحیثیت انسان اشرف المخلوقات ہے، آزاد انسان، خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو...... کی خرید وفروخت قطعی حرام اور گناہ کبیرہ ہے، حدیث میں اس پر شدید وعید سنائی گئی ہے، چنانچہ حدیث قدسی ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ثلثة انا خصمهم يوم القيامة رجل اعطى بى ثم غدر ورجل باع حرا فاكل ثمنه ورجل استأجر اجيرا فاستوفى منه ولم يعط اجره (صحيح البخارى 297/1)

”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تین شخص ہیں میں قیامت کے روز ان کا فریق (اور مدمقابل) ہوں گا، ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر عہد کیا پھر اسے توڑ ڈالا، دوسرا وہ شخص جس نے آزاد انسان کو فروخت کیا اور اس کی قیمت (وصول کر کے) کھا گیا۔ تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور کو مزدور رکھا، اس سے پورا پورا کام لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔“

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق انسان کے تمام اعضاء واجزاء کا بھی وہی حکم ہے جو انسان کا ہے۔ یعنی انسان کی طرح انسانی اعضا بھی قابل احترام ہیں اور ان کی خرید وفروخت بھی حرام ہے، چنانچہ امام ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(قوله ولبن امرأة) بالجر اى لم يجز بيع لبن المرأة لانه جزء الادمى وهو بجميع اجزائه مكرم مصون عن الابتذال بالبيع اه (البحر الرائق 80/6)

”عورت کے دودھ کی بیع جائز نہیں، اس لیے کہ وہ انسان کا جز ہے اور انسان اپنے تمام اجزا سمیت قابل احترام اور خرید وفروخت کی ذلت سے محفوظ ہے۔“

آگے لکھتے ہیں:

(قوله وشعر الانسان والانتفاع به) اى لم يجز بيعه والانتفاع به لان الادمى مكرم غير مبتذل فلايجوز ان يكون شىء من اجزائه مهانا مبتذلا وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم لعن الله الواصلة المستوصلة...... وصرح فى فتح القدير بان الادمى مكرم وان كان كافرا اه (البحر الرائق 81/6)

”یعنی انسانی بالوں کی خرید وفروخت اور ان سے نفع اٹھانا جائز نہیں، اس لیے کہ انسان قابل احترام ہے، لائق توہین وتذلیل نہیں، لہٰذا یہ جائز نہیں کہ انسانی اجزا میں سے کسی جز کی توہین وتذلیل کی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بالوں کو ملا کر جوڑنے والی اور جڑوانے والی (دونوں) پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے...... اور فتح القدیر میں تصریح کی ہے کہ انسان قابل احترام ہے خواہ کافر ہی ہو۔“

یہ احکام بلا امتیاز مسلم وکافر مرد وعورت ہر انسان کے ہیں کہ کسی بھی انسان کے کسی بھی جز سے انتفاع حرام ہے۔ مسلمان عورتوں کے بال جمع کر کر کے ان کی تجارت کرنا صرف شریعت کی نظر میں ہی نہیں، اخلاق وانسانیت کی رو سے بھی حد درجہ قبیح اور شرمناک فعل ہے۔ بالوں کی خرید وفروخت کرنے والے اور اس کاروبار میں کسی بھی درجے میں معاون بننے والے لوگ مجرم ہیں۔ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ ان مجرموں کو تعزیر لگائے اور اس گھناؤنے جرم پر سختی سے قدغن لگائے۔ اس کاروبار سے حاصل کیا گیا پیسہ حرام ہے اور انسانی بالوں کا استعمال حرام ہے، حدیث میں ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے۔

عورتوں کے بال جہاں کہیں ہوں، جس شکل میں ہوں، ان کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ انہیں دفن کر دیا جائے۔ ان سے نفع اٹھانا حرام ہے۔

بعض نادان سمجھتے ہیں کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک ہے، اس لیے اسے اعضا فروخت کرنے یا ہبہ کرنے کا اختیار ہے۔ چنانچہ کئی لوگ مرنے سے پہلے وصیت کر جاتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کی آنکھیں کسی ضرورت مند کو ہبہ کر دی جائیں، ایسی وصیت باطل اور وصیت کرنے والا گناہ گار ہے۔

انسان کا جسم اور اس کے تمام اعضاء واجزا انسان کی ملک نہیں بلکہ امانتِ خداوندی ہے، کسی عضو یا جز کو فروخت کرنا یا ہبہ کرنا نیکی یا بھلائی نہیں بلکہ خیانت کا ارتکاب ہے۔

درد کا درماں

ریحانہ تبسم فاضلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

● بڑی امید کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ میری امی کافی برسوں سے بیمار ہیں۔ تمام ٹیسٹ بھی کرالیے ہیں۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں، کچھ نہیں ہے۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بی بی رفعت بتول! اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور ہر شے پر قادر ہے۔ آپ اپنی نمازوں کی پابندی کریں۔ دن میں تین مرتبہ منزل پڑھ کر اپنے اوپر، اپنی والدہ اور بھائی پر دم کریں۔ لیکن پہلے اپنا حصار کرلیں۔ حصار یہ ہے (1) اول وآخر ایک مرتبہ درودِ ابراہیمی، سورۃ الکافرون، سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق، سورۃ الناس، سورۃ الفاتحہ، آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر حصار کریں، پھر والدہ پر دم کرسکتی ہیں۔

(2) روزانہ گھر میں سورۃ البقرہ کی کیسٹ لگائیں۔

(3) سورۃ طٰہٰ کی آیات 69 اور 70 بعد نماز مغرب 21 مرتبہ پڑھیں۔ اول وآخر 11 مرتبہ درود شریف پڑھیں (دم کرنے سے پہلے حصار کرلیں)۔

(4) سورۃ الفلق اور سورۃ الناس چلتے پھرتے پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی والدہ صاحبہ کو شفاء عطا فرمائے۔ آمین

● پیاری ریحانہ آنٹی! امید ہے آپ ایمان وصحت کی بہترین حالت میں ہوں گی۔ میرا بھی ایک مسئلہ ہے جس کے لیے رہنمائی چاہیے۔

(i) میرا چھوٹا بھائی پہلے بہت اچھا، ذہین تھا۔ اب جب اس کی عمر 10 سال ہے، وہ بالکل پڑھنا نہیں چاہتا، ہر وقت بس شرارتیں ہی شرارتیں۔ کتنا ہی پیار سے سمجھالو مگر بات نہیں مانتا۔ ٹیوشن کے لیے بھی سخت ٹیچر کے پاس ڈالا ہے۔ اس کے باوجود اس کی حالت وہی ہے کہ نہیں پڑھنا۔ ہم سب گھر والے اس کی وجہ سے بہت پریشان ہیں آپ کوئی وظیفہ بتائیں۔

(ii) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنے کزن کو پسند کرتی ہوں۔ میرے گھر والوں کو بھی پتا ہے اور وہ بھی چاہتے ہیں کہ میرا وہیں رشتہ ہوجائے، جس کو میں چاہتی ہوں مگر اس کے گھر والے ہماری طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔ ان لوگوں کو نہیں پتا کہ میں پسند کرتی ہوں اور میں شرعی پردہ کرتی ہوں اور آپ کوئی ایسا وظیفہ بتائے کہ وہ اللہ کی طرف سے خود بہ خود آجائے۔ (کنول شہزادی۔ نیو کراچی)

بی بی! کنول شہزادی!

(i) اپنے والدین سے کہو کہ بچے کی طرف توجہ دو، محبت پیار سے اس کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں، کچھ آپ بھی کوشش کریں، والدہ سے کہیں صبح وشام ایک تسبیح یا قُدُّوسُ کی پڑھیں اول وآخر ایک مرتبہ درودِ ابراہیمی پڑھ کر بچے پر تصور میں دم کریں، اللہ تعالیٰ سے بچے کی اصلاح کے لیے دعا کریں ان شاء اللہ بچہ ٹھیک ہوجائے گا۔

(ii) آپ نے دوسری بات پسندیدگی کے متعلق لکھی ہے، وہ ٹھیک نہیں۔ ایک طرف آپ شرعی پردہ کررہی ہیں، دوسری طرف موجودہ دور کی روش پر بھی چل رہی ہیں اور آپ کے گھر والے بھی اس چنگاری کو ہوا دے رہے ہیں۔ سب سے پہلے اپنی بے باکی اور الفاظ پر اللہ سے توبہ کریں، پھر دو رکعت صلوٰۃ الحاجت کے پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو رشتہ اللہ کو پسند ہو وہاں شادی ہوجائے۔

حضور کی شفقت

حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ استنجے کے لیے جنگل تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کسی باغ یا ٹیلہ وغیرہ کی آڑ میں ضرورت سے فراغت حاصل کرتے۔ ایک مرتبہ اس ضرورت سے ایک باغ میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک اونٹ تھا جو حضور ﷺ کو دیکھ کر بڑانے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے (ایک معروف چیز ہے کہ ہر مصیبت زدہ کا کسی غم خوار کو دیکھ کر دل بھر آیا کرتا ہے) حضور اس کے پاس تشریف لے گئے، اس کے کانوں کی جڑ پر شفقت کا ہاتھ پھیرا جس سے وہ چپکا ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری تشریف لائے، اور عرض کیا کہ میرا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ تم اس اللہ سے جس نے تمہیں اس کا مالک بنایا، ڈرتے نہیں ہو، یہ اونٹ تمہاری شکایت کرتا ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو، اور کام زیادہ لیتے ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور نے ایک گدھے کو دیکھا کہ اس کے منہ پر داغ دیا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم کو اب تک یہ معلوم نہیں کہ میں نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو جانور کے منہ کو داغ دے یا منہ پر مارے۔ (فضائل صدقات)

اختِ عاطف، ٹاؤن پلازہ

بیٹیاں بھی سائبان ہوتی ہیں

اخت محمد آصف ڈھلوں۔ لیاقت پور

(ایک رخ)

"میری پیاری امی جان! آپ پھر رو رہی ہیں؟"

بے حد محبت سے کہتے ہوئے اس نے امی کے گرد بازوؤں کا حصار باندھا تھا۔ امی کے رونے میں شدت آگئی۔ ان کی حالت دیکھ کر وہ بوکھلا سی گئی۔

"امی جان! بتائیں نا کیوں رو رہی ہیں۔ کیا پھر بھائی جان یا باجی نے کچھ سخت کہا ہے؟"

امی نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے تھکی تھکی سی سانس خارج کی۔ امی کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کیے۔ ان کے ہاتھوں کو نرمی سے تھاما، ذہن میں الفاظ ترتیب دیے اور پھر گلا کھنکھارتے ہوئے بولی۔

"آپ یقیناً ابا جان کو یاد کر کے رو رہی ہیں۔ امی! میں نے آپ کو کتنی بار سمجھایا ہے کہ اس طرح رونے سے ابا جان کی روح کو تکلیف ہوتی ہوگی، آپ کا رونا ان کے لیے بالکل بھی فائدہ مند نہیں، ان کو جو چیز فائدہ دے سکتی ہے، وہ ایصال وثواب ہے۔ آپ ان کو کوئی نیکی کر کے بخشا کریں۔"

اس کے خاموش ہونے پر امی جان گلوگیر لہجے میں گویا ہوئیں۔

"عمیرہ! میں تمہارے والد کے دیے ہوئے سکون کو یاد کر کے روتی ہوں، جب تک زندہ رہے، میں نے شہزادیوں جیسی زندگی گزاری، کبھی کوئی دکھ، تنگی، تکلیف مجھے ان کی زندگی میں محسوس نہ ہوئی، مگر اب...... اب میں گلیوں کے تنکا بن چکی ہوں، جسے ہر کوئی پاؤں تلے روندتا ہے۔ کیسے کروں گی میں سات بچوں کی شادیاں؟ کہاں سے لاؤں میں پانچ بیٹیوں کا جہیز؟ کہاں سے لاؤں میں تمہارے دونوں بھائیوں کی بریاں، جہاں روز کی بنیاد پر کام ہوتا ہو وہاں میں......"

امی بات ادھوری چھوڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ خود عمیرہ کی آنکھیں بھی گلابی ہونے لگیں۔ "امی جی! اللہ مسبب الاسباب ہے، وہ ہم سے ستر گنا زیادہ محبت کرتا ہے۔ اللہ پاک قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

"اور ضرور آزمائیں گے...... ہم تمہیں، خوف سے، بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوش خبری دے دیجیے صبر کرنے والوں کو۔"

امی جان! بے شک یہ آزمائش ہی ہے۔ آپ کو خوف ہے کہ اگر آپ کے بچوں کی شادیاں نہ ہوئیں تو کیا ہوگا؟ آپ غربت کی وجہ سے بھی خوف زدہ ہیں، مال میں کمی کی وجہ سے بھی، آپ پریشان ہیں کہ جہیز کہاں سے دیں گی؟ آپ کو یہ بھی خوف ہے کہ اتنے سارے بچوں کی شادی پر کھانے پینے کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے؟ تو میری پیاری امی جان...... آپ بالکل بے فکر ہو جائیں...... یہ ایک آزمائش ہے اور خود اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جو میری اتاری ہوئی ابتلا میں صبر کرے گا، اس کے لیے خوش خبری ہے۔ امی جان! حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔ ایک دن ان شاء اللہ آپ کی تمام پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ وقت چاہے اچھا ہو یا برا گزر ہی جاتا ہے، مگر گزرے وقت پر کیا گیا ہمارا اچھا یا برا عمل باقی رہ جاتا ہے۔ اللہ سے اگر اچھا گمان کیا جائے تو بے شک اچھا ہی مان ملتا ہے۔

ابتلا پر صبر تمام نبیوں کی سنت ہے۔ امی جان! یہ دکھ، پریشانیاں، تکلیفیں زندگی کا حصہ ہیں، ان کو اگر زندگی سے نکال دیا جائے تو زندگی پھر زندگی نہیں رہے گی۔ آپ خود بتائیں عورت تکلیف سہتی ہے تو ہی ماں کے رتبے پر فائز ہوتی ہے نا؟"

اس نے چند منٹ ٹھہر کر امی کو دیکھا، وہ اس کی باتیں بڑے دھیان سے سن رہی تھیں۔ عمیرہ کا حوصلہ اور بڑھا، وہ پہلے سے بھی پرجوش ہوئی۔

"اب اگر عورت کہے مجھے یہ تکلیف بھی نہ ہو اور میں ماں بھی بن جاؤں تو کیا یہ ممکن ہے؟ نہیں نا؟ تو بس پھر زندگی کے دوسرے معاملات کا تعلق بھی بالکل اسی طرح ہے۔ آپ دیکھ لیجیے گا ان شاء اللہ، بہت جلد آپ کی تمام پریشانیاں دور ہو جائیں گی، بس آپ اللہ سے مانگیں، اللہ پر نظر رکھیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ وباذن اللہ۔"

اس نے محبت سے امی کے ہاتھوں کو دبایا تو امی نے اثبات میں سر ہلایا اور بولیں۔ "ہاں کرے گا تو سب اللہ ہی، مگر بیٹا اللہ بھی کہتا ہے کہ حیلہ کرو، وسیلہ میں خود بنا دوں گا۔ بیٹا! بھائی تمہارے بے شک بہت محنت کرتے ہیں، صبح کے گئے شام اور کبھی رات کو لوٹتے ہیں، مگر لاپروا ہیں، آگے بڑھنے کی لگن بالکل نہیں، اب پانچ سو میں، میں آٹے، دال کا خرچہ کروں یا بیٹیوں کا جہیز اور ان کی بریاں بناؤں؟ آج تو رشتہ کروانے والیاں بھی دس، دس ہزار لے رہی ہیں۔ ایک تمہارے تایا کا لڑکا ہے سیف علی جس کو اللہ نے اتنا دیا کہ حد نہیں، اس سال پھر نفل حج کر آیا مگر یہ نہیں سوچا کہ چند قدم کے فاصلے پر بیوہ چاچی پانچ جوان بیٹیوں کے ساتھ بیٹھی ہے، اس کا حج تو یہاں بھی ہو سکتا تھا غریب رشتے داروں کی مدد کر کے۔ تمہارے ابا نے اور میں نے ہر موقع پر ان کا ساتھ دیا، شاہدہ کا رشتہ تمہاری تائی نے خاندان سے باہر کیا تو سب نے آپا سے قطع تعلق کر لیا۔ اس مشکل وقت میں ہم دونوں میاں بیوی نے سیف علی کے والدین کا ساتھ دیا۔ اس کے علاوہ جب بھی مشکل وقت آیا میں نے ہمیشہ ان کا ساتھ دیا اور آج جب مجھ پر کڑا وقت آیا تو سب نے آنکھیں پھیر لیں۔ اگر آج تمہاری تائی زندہ ہوتیں تو کبھی بھی ایسا نہ کرتیں جیسا ان کی اولاد کر رہی ہے۔" امی اب شوہر کے ساتھ جیٹھانی کو بھی یاد کر کے رونے لگیں۔ عمیرہ بھی آنسو نہ

روک پائی۔

''چھوڑیں امی! ہر کوئی اپنے لیے کماتا ہے۔ رشتے داروں کی مدد کرنا نیکی کا کام ہے، اگر کوئی نہیں کرتا تو ہم زبردستی کسی کو مجبور نہیں کرسکتے۔ اللہ نے پیدا کیا انسان کو اور رازق بھی وہ خود ہے، جس نے بچپن سے اٹھا کر جوانی کی دہلیز پر لا کھڑا کیا وہ باقی امور بھی احسن انداز میں نبٹالے گا ان شاء اللہ۔ کوئی رشتے دار مدد کرے گا ایسا سوچیے گا بھی مت۔ بندے پر مشکل اس لیے آتی ہے کہ بندہ اپنے رب کی طرف رجوع کرے اور جب بندہ رب کی بجائے دوسروں کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ ناراض ہوتا ہے کہ میرا بندہ میرے بجائے کسی اور کی طرف کیوں گیا اور پھر اللہ پہلے سے بھی بڑی مشکل بندے پر نازل کرتا ہے کہ اب یہ میرے پاس آئے گا۔ جب تک بندہ رب کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی مشکلات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔'' عمیرہ کی باتوں سے ان کے اندر ایک دم حوصلہ بڑھا۔ انہوں نے دل میں پکا ارادہ کرلیا اللہ کی طرف رجوع کرنے کا۔

☆

وقت کا کام گزرنا ہے سو گزرتا گیا۔ اللہ کی طرف سچے دل سے رجوع کیا تو ہر مشکل آساں ہوتی گئی، بے شک کچھ وقت لگا۔ رزق کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے تو بے شک ہر مشکل وقت میں رزق اللہ دیتا ہے اور وہاں سے دیتا ہے جہاں سے کم از کم بندے کو تو گمان بھی نہیں ہوتا۔ آج ہر گھر میں مال ومتاع تو ہے، مگر اصل چیز جو ہے وہ برکت ہے جو آج کل بالکل بھی نہیں رہی۔ وہ ہی پیسے اور وہ ہی آمدن تھی مگر عمیرہ کی امی کا سچا رجوع و توکل عرش عظیم کے مالک کو ایسا بھایا کہ ایک ایک کر کے وہ ہر فرض سے سبکدوش ہوگئیں۔ بے حد اچھے داماد، فرماں بردار بہوئیں، سب کچھ مل گیا۔ گھر میں دولت کی ریل پیل بے شک نہ تھی، مگر برکت کی ریل پیل ضرور تھی۔ عمیرہ ہر وقت ماں کو رب کے احسان گنواتی اور ماں شکر کرتے نہ تھکتیں!

مگر عمیرہ کی امی ایک احسان کو شاید بھول گئیں یا شاید کبھی احساس ہی نہ ہوا اور جب احساس ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ گئیں۔

☆

''چلیں آپا جی! میری عمیرہ کو دعاؤں میں رخصت کریں۔'' سفید دوپٹہ اوڑھے، فاطمہ بیگم نے مسکراتے ہوئے سجی سنوری، بے حد خوب صورت نظر آتی عمیرہ کے من موہنے روپ کو نظروں میں سموتے ہوئے انتہائی محبت سے کہا تو عمیرہ کی امی یک دم چونکیں۔ ان کا ذہن ایک ہی جست میں ماضی میں پہنچ گیا تھا۔ ننھی منی سی عمیرہ ان کی گود میں تھی اور وہ اس کو گود میں لیے مغموم سی تھیں، کیوں کہ عمیرہ اپنے ساتھ پانچویں کا لاحقہ بھی لائی تھی۔

پھر عمیرہ کچھ بڑی ہوئی، قدم قدم چلنا شروع کیا، پھر بھاگنا اور پھر وہ بڑی ہوتی گئی، اتنی بڑی کہ اس نے سات بچوں کی ماں کے سارے دکھ درد بانٹ لیے۔ شوہر کی وفات کے بعد جس نے امی کو سب سے بڑھ کر حوصلہ دیا، وہ عمیرہ ہی تھی۔ اپنی پڑھائی اپنے خواب، اپنی ذہانت، اس نے سب کچھ ماں کے لیے تیاگ دیا۔

عزت، دولت، شہرت میری سب کچھ تیرے نام

اے میری پیاری......ماں

سب کچھ ماں کے نام کرنے والی عمیرہ آج پرائی ہوگئی۔ عمیرہ کی ساس بہت محبت سے اسے دیکھ کر کہہ رہی تھیں۔ ''میری عمیرہ کو دعاؤں میں رخصت کریں۔''

انہیں یوں لگا جیسے یکدم وہ تپتے صحرا میں آ کھڑی ہیں۔ عمیرہ تو ٹھنڈا سائبان تھی ان کا۔ زمانے کے گرم تھپیڑوں سے گھبرا کر وہ ہمیشہ عمیرہ نامی پیڑ تلے ہی پناہ لیا کرتی تھیں۔ جس پیڑ نے انہیں ہمیشہ سایہ دیا، گرم و سرد سے بچنے کا حل بتایا، وہ شاخوں سے لدا ہرا بھرا سائبان کسی اور کو دیتے ہوئے انہیں جو تکلیف ہوئی، اس کو صرف وہ ہی مائیں جان سکتی ہیں جن کے پاس عمیرہ جیسا گھنا پیڑ ہو۔ انہوں نے گلابی آنکھوں کو رگڑا اور پھر دل کی گہرائیوں سے دعاؤں کے سائے تلے عمیرہ کو مولانا اسد اللہ کی سنگت میں رخصت کیا۔ فاطمہ اپنی عمیرہ کو گاڑی تک لائیں اور پھر گاڑی عمیرہ کے بیٹھتے ہی چل پڑی۔ ''بیٹیاں بھی سائبان ہوتی ہیں۔'' انہوں نے سوچا اور ایک آنسو ان کے سبز آنچل میں جذب ہوگیا۔

☆☆☆

(دوسرا رخ)

''نہیں امی جی...... آپ کو نہیں پتا، یہ اس طرح نہیں آتا۔'' ماتھے پر تیوریاں چڑھائے اس نے قدرے چڑچڑے انداز میں کہا۔ امی نے اس کے انداز کو نظر انداز کیا اور اپنے مخصوص نرم انداز میں بولیں۔

''تم ادھر دو، میں تمہیں کر کے ہی دوں گی۔'' امی کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے غصے سے کپڑا ان کے ہاتھ میں تھمایا اور خود اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''وقت ہی ضائع کرنا ہے آپ نے اپنا بھی اور میرا بھی۔ مگر نا جی آپ ایک دفعہ ٹھان لیں وہ کر کے ہی رہتی ہیں...... ہونہہ۔'' غصے سے سر کھجاتے وہ باہر نکل آئی۔ امی کے لبوں پر ابھی بھی مخصوص مسکان تھی۔

''یہ لو اور اب بتاؤ کیا واقعی تمہاری ماں اتنی نالائق ہے جتنی تم سمجھتی ہو؟؟؟''

امی نے اپنی مخصوص نرم مسکراہٹ کے ساتھ ململ میں لپیٹ کر جوتا مارا تھا۔ وہ ڈھٹائی سے مسکرائی اور بولی۔

''ہاں تو مجھے کیا پتا، آپ کو اکیسویں صدی کے کپڑے بھی سلائی کرنے کا پتا ہے۔ اگر مجھے علم ہوتا تو فضول میں دو کلو دماغ خرچ نہ کرتی۔''

وہ نورین ہی کیا جو کسی بات پر شرمندہ ہو جائے۔ غصہ اس کی ناک پر دھرا رہتا۔

یہ اور بات ہے کہ اس کا شمار وفاق المدارس کی پوزیشن ہولڈر طالبات میں ہوتا تھا۔

وقل لهما قولا كريما......

پوزیشن ہولڈر نورین...... نجانے اس حکم کو کیوں بھول جاتی تھی۔

☆

"حدثنا علی بن عبداللہ...... قال......"

"سارہ...... سارہ بیٹے۔" امی کی آواز پر وہ ذرا دیر کو رکی اور پھر سر جھٹک کر ایک بار پھر پڑھنا شروع ہوگئی۔

"قال حدثنا عبدالاعلیٰ قال......"

"سارا......" امی کی پکار ایک بار پھر پڑی اور وہ جی بھر کے بدمزہ ہوئی۔ جواب دینا پھر بھی ضروری نہ سمجھا۔

"قال حدثنا معمر عن الزهري...... عن عبدالله بن عامر عن ابيه"

"ٹھہرو تمہیں تو میں بتاتی ہوں۔" امی کی آواز قریب سے سنائی دی۔

"قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم......"

"ڈوب مرو...... ہے تمہیں تھوڑا سا بھی احساس کہ ماں کب سے آوازیں دے رہی ہے۔ کم از کم جواب تو دے دو۔"

امی نے ہاتھ میں پکڑا جوتا سارا کے سامنے کھلی حدیث شریف کی کتاب کو دیکھ کر فوراً نیچے رکھ دیا۔

"کیا ہے امی جی......! آپ کو بھی پتا ہے میں اس وقت حدیث کا مطالعہ کر رہی ہوتی ہوں، کیسے جواب دیا کروں؟"

لہجے میں خفگی در آئی تھی۔ "اتنا تو کہہ سکتی تھی ناں کہ میں پڑھ رہی ہوں، کب سے کہہ رہی ہوں مجھے اوپر سے کپڑے اتار کرلا دو، مگر تم پہ تو ماں کی بات کا اثر نہیں ہوتا، نجانے کیا خطا ہوگئی جو آج ہماری اولادیں کچھ سمجھتی ہی نہیں۔" امی غصے سے بڑبڑاتے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"ہائے...... اوئی...... اف!" پہلی سیڑھی پر اللہ اکبر کہہ کر قدم رکھتے ہی درد کی شدید لہر اٹھی تھی، مگر وہ کراہتے ہوئے اوپر چڑھنے لگیں۔

اندر سارا ہل ہل کر حدیث دہرا رہی تھی۔ ماں کراہ رہی تھی اور سارا کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

"کاش!!! میری ماں زندہ ہوتیں اور میں نماز کے لیے مصلے پر ہوتا۔ سورہ فاتحہ پڑھ رہا ہوتا اور ادھر سے والدہ کی آواز آتی۔ "بیٹا محمد!" تو میں نماز توڑ کر کہتا: "لبیک میری ماں!"

ایک طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز توڑ کر ماں کو جواب دے رہے ہیں۔ دوسری طرف ان کی امت حدیث پڑھتے ہوئے ماں کو جواب دینا ضروری نہیں سمجھ رہی۔

کیا یہ اوقات ہے ہمارے نزدیک سائبان کی؟؟

☆

"امی جی میرے دستانے؟" طوبیٰ نے بے قراری سے پوچھا۔ نیلے شاپر کی طرف بڑھتا امی کا ہاتھ فوراً ماتھے پر چلا گیا۔

"ہائے ہائے...... اک تو میری یادداشت بھی نا، میں بھی کہوں کیا چیز بھول رہی ہوں، یقین کرو بیٹا! رکشے میں بیٹھے ہوئے بھی میں مسلسل یاد کرتی رہی کہ کون سی چیز بھول رہی ہوں اور اب تم نے یاد کروایا تو......" امی نے رک کر طوبیٰ کے تاثرات دیکھے۔ غصے سے سرخ ہوتا چہرہ، پانیوں سے بھری آنکھیں۔ امی کا انداز خود بخود وضاحتی ہوگیا۔

"بیٹا! قسم سے میں سچی بھول گئی تھی یقین کرو۔" طوبیٰ کے کھلتے منہ نے انہیں خاموش کروا دیا۔

"عروبہ کی چوڑیاں آپ کو یاد رہ گئیں، منال آپی کا جوتا آپ کو یاد رہ گیا، اسماء کی نوز پن آپ کو یاد رہ گئی۔ ایک بھولے تو بس دستانے...... دین سے متعلق آپ کو ہر چیز بھول جاتی ہے، باقی بیٹیوں کے فیشن کی چیز آپ کو یاد رہ جاتی ہے اور......" وہ روتے ہوئے وہاں سے بھاگ گئی۔ چند ماہ پہلے اس نے پردہ شروع کیا تھا۔ ارادہ بہت پہلے کا تھا مگر ہمت چند ماہ پہلے کی تھی اس نے، بہت سی مشکلات آئیں مگر وہ ثابت قدم رہی۔ دین پر ڈٹ گئی۔ اسے عشق ہوگیا تھا دین سے۔ مگر نجانے کیوں وہ رب کے اس فرمان کو بھول جاتی تھی۔ ماں سے مخاطب ہوتے ہوئے:

فلا تقل لهما اف...... اور نہ انہیں جھڑک......

بڑھاپے میں انسان بھولنے لگتا ہے۔ طوبیٰ کی امی بھی تو دستانے لانا بھول گئی تھیں۔ پھر اس نے کیوں نہ کی پاسداری اس قول کی؟؟

☆

"اوہو امی جی! اداس کیوں ہوگئی ہیں آپ؟ دیکھیں آپ کو اس طرح اداس دیکھ کر میرا دل بہت برا ہوا ہے۔ پلیز موڈ ٹھیک کریں۔"

انیسہ نے ماں کے ہاتھ تھامتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ بس ایک گہرا سانس لے کر رہ گئیں۔ "تم رک جاؤ۔ کیا ضرورت ہے؟ جب سب کچھ ہے تو پھر؟" امی کی ادھوری بات کا مفہوم سمجھ کر اس نے بے یقینی سے ماں کی طرف دیکھا۔

"امی جی! کم از کم آپ تو یہ بات نہ کریں، اگر ہم اسی طرح گھروں میں بیٹھے رہے تو دین کون پھیلائے گا؟"

انیسہ کے سوال پر وہ نرمی سے بولیں "بیٹا! وہاں اور بھی بہت سی استانیاں ہیں۔ تم نہ جاؤ گی تو کوئی خاص کمی محسوس نہ ہوگی ان کو، مگر میں سارا دن اکیلی اتنی بڑی حویلی میں بولائی سی پھرتی ہوں، میری بھی تنہائی کا کچھ خیال کرو۔"

امی آج دل کا حال اس سے کہہ ہی گئیں۔

انیسہ نے انتہائی دکھ سے ان کو دیکھا۔ "سوری امی! میں اللہ کے دین کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر ہم لوگ یوں ہی جذبات میں آکر دین سے غافل ہوگئے تو کیا جواب دیں گے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ ہم نے کیوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو نہیں پھیلایا؟ ماں، باپ، بہن، بھائی اور اولاد کی محبت میں؟ سب غفلت برت سکتے ہیں، انیسہ نہیں۔ مجھے ہر گھر میں اسلام کی روشنی کو پھیلانا ہے، چاہے جو بھی ہو۔"

انیسہ کے دوٹوک جواب پر امی، نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر قدرے بشاشت سے بولیں۔

"جیتی رہو بیٹی! مجھ سے زیادہ خوش قسمت کون ہوگا بھلا...... تم جیسی نیک و فرماں بردار بیٹی اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ بس تنہائی سے گھبراتی ہوں۔ اچھا خیر...... چلو تم دیر ہو رہی ہے۔"

امی نے محبت سے اس کی پیشانی چومی۔ اس نے جلدی سے نقاب لگایا اور بیگ اٹھا کر چل پڑی۔ اسے لگ رہا تھا۔ اس کے قدم جنت کی طرف اٹھ رہے ہیں۔ نجانے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو کیوں بھول گئی۔ جس میں ہے کہ

"ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس نے کہا: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے...... ہجرت و جہاد پر بیعت کرتا ہوں اور اللہ سے اجر چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! بلکہ وہ تو دونوں زندہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا: کیا تم اجر کے طلب گار ہو؟؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پس تم اپنے والدین کے پاس چلے جاؤ اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔"

کیا گاؤں والوں میں اللہ کا دین پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا گاؤں کی جہالت کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاد جیسے مشن پر والدین کو ترجیح دیتے ہیں اور انیسہ ان پڑھ اکیلی ماں کو چھوڑ کر شہر کے مدرسے میں بچیوں کو تعلیم دینے چلی گئی، حالاں کہ علم کی ضرورت سب سے زیادہ اس کی ماں اور گاؤں کو ہے!

طلوعِ سحر

19

اہلیہ راشد اقبال

وہ انجان منزل کی طرف بھاگتا چلا گیا۔

ایک غیبی طاقت اسے ان اندھیروں سے دور، بہت دور لے جانا چاہتی تھی۔ کافی دیر بعد اس نے پلٹ کر دیکھا، ولیم اور مام کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔ وہ تھک کر قریبی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر اپنی سانسیں درست کرنے لگا۔ کتابیں یوں ہی اس کے سینے سے لگی تھیں۔ خون ابھی بھی اس کے ماتھے سے رس رہا تھا۔ "آہ!" ایک ٹیس اس کے زخم سے اٹھی۔ سانسیں درست ہوئیں تو بے ساختہ اس کا ہاتھ اپنے گلے میں بندھے صلیب کے نشان پر پہنچ گیا۔ چند لمحے وہ سوچتا رہا پھر ایک انجانی قوت کے ساتھ اس نے صلیب کا نشان نوچ ڈالا اور اٹھا کر دور پھینک دیا، پھر وہ زار وقطار رونے لگا۔ بظاہر وہ بے گھر ہو گیا تھا مگر حقیقی ارض وسما کے مالک سے اسے انسیت ہو گئی تھی۔ اس نے آنسو صاف کیے، آستین اور ماتھے سے رستا خون پونچھا اور آس پاس نظر دوڑانے لگا۔ قسمت جب مہربان ہو تو راستے خود بخود منزل بنتے چلے جاتے ہیں۔ ذرا فاصلے پر ہی ختم نبوت کے دفتر کا بورڈ جگمگا رہا تھا۔ گلز کے قدم اس کی سمت اٹھتے چلے گئے۔

مولانا عبدالرحیم جیسی پرنور شخصیت نے اس کی داستانِ الم حرف بہ حرف سنی۔ سچائی کی جو جوت اس کے دل میں جل رہی تھی، اسے جلا بخشی۔ اسے کلمۂ شہادت پڑھوایا، محمد حمزہ اس کا نام رکھا۔ آنے والی آزمائشوں کے بارے میں اسے سمجھایا کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں قرآن کریم میں

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ حالاں کہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائشیں کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ ضرور یہ معلوم کر کے رہے گا (اظہار ایمان میں) سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟" (سورۂ عنکبوت آیت نمبر 2)

"خود کو سچا ثابت کرنا ہے۔ ایمان کو صرف زبان تک محدود نہیں رکھنا، بلکہ دل میں اتارنا ہے۔ شریعت محمدی پر مکمل عمل کرنا ہے کہ آپ ﷺ نے اسلام کو مکمل کر دیا۔ آپ ﷺ قیامت تک کے انسانوں کے لیے آخری نبی ہیں، جس کا اعتقاد اس کے برعکس ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ سنتِ نبویہ مطہرہ پر عمل ہی نجات کا باعث ہے۔ ان کی حرمت وعزت ہمیں اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں سے زیادہ ہونی چاہیے، ان کی محبت کے آگے دنیا کی تمام محبتیں ہیچ ہونی چاہیے۔"

مولانا عبدالرحیم صاحب نے اسے دعوت دی کہ وہ روزانہ کی بنیاد پر ان سے بنیادی عقائد سیکھتا رہے اور اسے اپنے ایک شاگرد مولانا عبدالسمیع کی نگرانی میں دے دیا، جنھوں نے اس کی رہائش کا بھی انتظام کیا اور اس کے ساتھ مالی تعاون بھی کیا۔

☆

گھر میں قدم رکھتے ہی اسے انیل کا چہرہ نظر آیا۔ انیل خبیث نظروں سے میناکشی کو گھور رہا تھا۔ گھر میں نہ ماں جی تھیں اور نہ ہی پتاجی۔ میناکشی اس کے قریب بیٹھی ہنس ہنس کے باتیں کر رہی تھی۔ عبداللہ کو دیکھ کر دونوں کے چہرے کا رنگ لمحے بھر کے لیے اڑ گیا، مگر دوسرے ہی لمحے انیل خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

"اوئے رمیش! تم آج کیا مندر نہیں گئے؟"

رمیش نے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا اور میناکشی کو اندر جانے کا کہا۔

"ماں جی اور پتاجی گھر پر نہیں ہیں، اس وقت تمہارا اندر آنے کا کیا جواز بنتا ہے؟" عبداللہ غصے سے بولا۔

"میری منگ ہے مینا، کیا اب بھی اجازت کی ضرورت ہوگی؟"

"ہاں ہوگی۔ صرف منگ ہے بیاہ نہیں ہوا۔ تم جا سکتے ہو یہاں سے، آیندہ ماں جی اور پتاجی کی غیر موجودگی میں نہیں آنا۔"

"تم میری بے عزتی کر رہے ہو رمیش!" انیل تلملا کر بولا۔

"تم جا سکتے ہو۔" عبداللہ نے دوبارہ وہی جملہ دہرایا۔

"ٹھیک ہے رمیش مگر یہ بے عزتی تمہیں مہنگی پڑے گی۔ تیری منگ بھی میرے گھر بیٹھی ہے۔ گھوڑا گھاس سے بیر کرے گا تو کھائے گا کیا!" انیل نے اپنی گھنی مونچھوں کو تاؤ دیا۔

"آج کل کے گھوڑے بادام کھاتے ہیں انیل! صرف گدھے ہی گھاس پر اکتفا کرتے ہیں۔" عبداللہ نے ذو معنی بات کر کے انیل کو لاجواب کر دیا اور ایک بار پھر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

انیل کے جاتے ہی میناکشی غصے سے باہر آ گئی۔

"رمیش! یہ تو نے اچھا نہیں کیا انیل کے ساتھ، وہ برا مان گیا ہو گا۔"

"تجھے میرے برا ماننے کا کچھ خیال نہیں، نہ ہی اپنی عزت کا پاس ہے۔ ماں جی اور پتاجی گھر نہیں تھے، تو نے اسے اندر نہیں بلانا تھا۔"

"اندر بلایا تھا تو دروازہ کھلا بھی رکھا تھا تا کہ تم جیسا شکی شک نہ کرے۔"

"مینا! مجھے تم پر بھروسا ہے مگر وہ انیل......"

عبداللہ نے میناکشی کے سر پر ہاتھ رکھا جسے میناکشی نے جھٹکے سے فوراً ہی ہٹا دیا۔

"تو ابھی سے انیل سے نفرت کرتا ہے، آگے جا کر کیا کرے گا۔"

"اللہ تمہیں ہدایت دے۔" عبداللہ منہ ہی منہ میں بولا۔

"کیا؟" میناکشی کو ٹھیک سے سمجھ نہیں آیا۔

"کچھ نہیں" عبداللہ مسکرایا۔

"ماں جی اور پتاجی کہاں ہیں؟" عبداللہ جوتے اتارتے ہوئے بولا۔

"مندر گئے ہیں پنڈت کے پاس، تیری غیر حاضری کی وجہ جاننے، تم مندر کیوں نہیں جا رہے؟"

"میرا وہاں جی نہیں لگتا۔" عبداللہ نے صاف گوئی سے کہا۔

"ہائے رام کیا بدشگونی کی بات تم نے کی۔ پتا جی نے سن لی تو تیری بوٹیاں کر دیں گے۔"

"اس کے لیے تو میں تیار ہی ہوں۔" عبداللہ نے میناکشی کو سب بتا دینا چاہا۔

"مطلب......؟" وہ حیرانی سے بولی۔ "میرے ساتھ آؤ!" عبداللہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اسٹور کے اندر لے گیا۔ جہاں پوجا پاٹ کے سامان کے ساتھ ساتھ کئی چھوٹی چھوٹی بھگوان کی مورتیاں رکھی تھیں۔

"مینا! کیا یہ بھگوان مجھے میری بوٹیاں بننے سے بچا سکتے ہیں پتاجی کے ہاتھوں؟"

"ہاں! اگر تو دل سے مانگے۔" میناکشی نے الجھن سے عبداللہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں مینا! یہ نہیں بچا سکتے مجھے۔ یہ تو خود کو ٹوٹنے سے بھی نہیں بچا سکتے۔ یہ دیکھو۔" عبداللہ آگے بڑھا اور اس نے ایک مورتی ہاتھ سے اٹھائی اور نیچے پھینک دی۔

"رمیش ......!" میناکشی اس کو دیکھتی رہ گئی۔

"یہ...... یہ کیا کیا؟...... اتنا بڑا پاپ؟...... تو پاگل ہو گیا ہے کیا؟ بھگوان تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

"مینا! وہ کبھی معاف کر بھی نہیں سکتا، کیوں کہ معاف کرنے والا تو کوئی اور ہے۔"

"کوئی اور...... کک...... کون......؟" میناکشی کا دل خوف زدہ تھا۔

عبداللہ نے آنکھیں بند کیں اور دل میں پھوٹتی روشنیوں کے ساتھ کہا۔

"اللہ......"

(جاری ہے)

ساجدہ غلام محمد، مانچسٹر۔ برطانیہ

"پائی جی، اوروں تسی سجے ہتھ مڑیو، فراگوں کھبے ہتھ مڑیو، فر مسید آوے گی، تے اوتھوں سجے ہتھ مڑیو، فراگوں کھبے ہتھ تے فر اک واری فر کھبے ہتھ تے تسی مین سڑک تے چڑھ جاؤ گے، اوتھوں کسی نال پچھ لیو کہ ٹنڈو الہ کتھے اے، میںنوں نئی پتا۔ سلاما لیکم!"

(بھائی جی، ادھر سے آپ سیدھے ہاتھ مڑ جائیں، پھر آگے بائیں ہاتھ مڑ جائیں، پھر مسجد آئے گی تو ادھر سے سیدھے ہاتھ مڑ جائیں، پھر آگے سے بائیں ہاتھ اور پھر اس کے بعد ایک بار پھر بائیں ہاتھ مڑ جائیں، تو آپ مین سڑک پہ پہنچ جائیں گے، وہاں کسی سے پوچھ لینا کہ ٹنڈو الہ کدھر ہے، مجھے نہیں پتا)۔"

یہ کہہ کر اس آدمی نے اپنا صافہ سجے کندھے سے اتار کر کھبے کندھے پہ رکھا اور چل دیا۔

"یہ...... یہ کیا تھا؟" ہم نے حیرت سے کہا۔

"امی جی! یہ سجے کھبے کا پہاڑہ تھا۔" صارم نے ہنستے ہوئے کہا تو ہم سب کی بھی ہنسی نکل گئی۔ اصل میں ہمارے میاں کے چچا زاد بھائی کے بیٹے کا ولیمہ تھا۔ ہم نے کبھی بچپن میں گاؤں دیکھا تھا اور بچے بھی گاؤں کی زندگی سے ناواقف تھے، اس لیے ہم سب کے پرزور اصرار پر میاں جی نے ولیمے کا دعوت نامہ قبول کر لیا۔ آدھے گھنٹے کا سفر رہتا تھا کہ ہم راستہ بھول گئے اور اب بھٹکتے پھر رہے تھے۔

"کسی کو یاد ہے اس آدمی نے کیا کہا تھا؟" میاں جی نے پوچھا۔

"پہلا سجا، پھر کھبا، پھر سجا، پھر کھبا اور اس کے بعد پھر کھبا۔" محتشم نے جملہ مکمل کرتے ہی فخریہ انداز میں ہماری طرف دیکھا۔

"واہ جی! محتشم نے تو یاد بھی کر لیا۔" ہم نے تعریفی نظروں سے اس کی جانب دیکھا اور وہ بیچارہ شرما ہی گیا۔

"چلو پھر اللہ کا نام لے کے سجا کھبا سفر شروع کرتے ہیں۔" اتنا کہہ کر انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ہم سب بھی چوکنے ہو کے بیٹھ گئے، مبادا وہ سجے کی بجائے کھبے نہ مڑ جائیں۔

اللہ اللہ کر کے ہم مین سڑک پہ پہنچے۔

"ادھر کسی سے راستہ دوبارہ پوچھ لیں۔" ہمارے کہنے پہ انہوں نے گاڑی ایک چنگ چی رکشے کے پاس روکی۔ اس کا ڈرائیور منہ میں ایک تنکا ڈالے آنکھیں بند کیے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

"بھائی جی! ٹنڈو الہ جانا ہے۔"

"تو جاؤ بھائی، مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" رکشہ ڈرائیور کسی سواری سے تازہ تازہ لڑ کر بیٹھا ہوا تھا شاید، سارا غصہ ہمارے میاں پہ نکال دیا۔

"اچھا بھائی، شکریہ۔" اس کا کرارا جواب سن کر میاں جی یہی کہہ سکتے تھے!

"السلام علیکم بھائی! یہ سڑک کدھر جاتی ہے؟" ایک راہگیر سے پوچھا گیا۔

"بھائی جی، یہ سڑک کہیں نہیں جاتی، ادھر ہی پڑی رہتی ہے۔" آگے سے دانت نکوس کر جواب آیا اور ساتھ ہی وہ اپنے لطیفے پہ خود ہی ہنس پڑا۔ میاں جی نے منہ بنا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

"یہاں تو سارے کے سارے ہی عجوبے ہیں۔" وہ جھنجھلا رہے تھے اور ہم اور بچے لطف اٹھا رہے تھے۔

"اب آپ کسی سے پوچھیں تو کہنا کہ ٹنڈو الہ کدھر ہے۔ آپ کا سوال ہی غلط ہوتا ہے" وہ ایک سائیکل سوار کے پاس جا کے گاڑی آہستہ کرنے لگے تو ہم نے کہا۔

"اچھا تم تو اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو۔" انہوں نے چڑ کے جواب دیا تھا۔

"بھائی جی، ٹنڈو الہ کدھر ہے؟" انہوں نے ہمارے مشورے پہ عمل کر ہی لیا!!

"تسی ٹنڈو الہ جانا ہے؟ میرے پچھے پچھے آ ؤ، میں اوتھے ہی جاندا پیا آں۔" (آپ نے ٹنڈو الہ جانا ہے؟ میرے پیچھے پیچھے آئیں، میں ادھر ہی جا رہا ہوں)۔ اتنا کہہ کر وہ تیز تیز پیڈل مارنے لگا تو مجبوراً میاں کو بھی گاڑی اس کے سائیکل کے پیچھے رکھ کے چلانی پڑی۔

"آہ! یہ دن بھی دیکھنا تھا، میری چہیتی گاڑی ایک سائیکل کے پیچھے چل رہی ہے۔"

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی چھوٹا نہیں قدرت کے کارخانے میں!

محتشم نے بڑی خوبصورت جگہ شعر پڑھا تھا، دل خوش ہو گیا۔

ہماری گاڑی سائیکل کے پیچھے تقریباً رینگ رہی تھی۔ پانچ منٹ چلے ہوں گے کہ سائیکل سوار نے سائیکل ایک دکان کے سامنے روک دی۔

"یہ ٹنڈو الہ ہے؟؟" حیرت سے میاں نے اس سے کہا۔

"اونئیں جی، یہ تو ماے تنویر کی ہٹی دی دکان اے۔ میں ہنے آیا۔" (میں ابھی آیا۔) اتنا کہہ کر وہ دکان کے اندر گھس گیا۔

"لو جی۔" سارب نے بے اختیار کہا تھا۔

''ابو جی! ہم بھی مامے تنویر کی دکان سے دہی لے لیں؟ مجھے تھوڑی تھوڑی بھوک لگ رہی ہے۔'' صارم کے اپنے ہی مسئلے تھے!

''چپ بیٹھو سب، اب شادی والے گھر جا کے ہی کھانا ملے گا۔'' میاں جی تین گھنٹے کی مسلسل ڈرائیونگ سے خاصا تھک چکے تھے، اوپر سے یہ ٹھنڈ والہ پتا نہیں کدھر چھپ گیا تھا کہ مل ہی نہیں رہا تھا۔

''لو پائی جی! میں بنے گیا سی تے بنے واپس آ گیا، کرو اپنی گڈی سٹارٹ تے لاؤ میری سائیکل پچھے۔'' (میں ابھی گیا تھا اور ابھی آ گیا۔ اپنی گاڑی سٹارٹ کرو اور میری سائیکل کے پیچھے پیچھے آؤ)۔

اس سائیکل والے بندے کو 10 منٹ 'ابھی گیا تھا، ابھی آ گیا' لگ رہے تھے!! ہمارا سفر اس کی سائیکل کے پیچھے ایک بار پھر شروع ہوا۔ شاید دس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ اس نے سائیکل ایک دفعہ پھر روک لی۔

''لو جی! آ گیا تواڈا ٹھنڈ والہ۔'' اس نے سڑک کی کچی طرف اشارہ کیا تو ہم سب نے سکھ کا سانس لیا۔ وہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ ارد گرد کھیت ہی کھیت تھے۔ 'ویسے تسی جانا کیدے گھر اے؟'' (جانا کس کے گھر ہے؟)

''بھائی نصیر ملک کے گھر۔'' میاں نے کھڑکی سے سر نکال کے بتایا۔

''پائی نصیر؟؟ اوہو فر تسی اپنے ای پڑو بنے او...... میں عدیل۔''

'اوے عدیل! اے تواے؟'' اور ہمارے میاں کی اردو پٹڑی سے اتر گئی!! پتا چلا کہ دونوں ہی بچپن میں گاؤں کے پاس سے گزرنے والی نہر میں خود بھی نہاتے تھے اور بھینسوں کو بھی نہلاتے تھے۔

عدیل بھائی کی رہنمائی میں ہم شادی والے گھر پہنچے تو خوب رونق کا سماں تھا۔ پورا گاؤں اپنی ہی برادری کا تھا، اس لیے شادی پر پورا گاؤں ہی مدعو تھا، اور جسے مدعو نہیں کیا گیا تھا، وہ بھی یہ سوچ کے مدعو تھا کہ بھول چوک ہو ہی جاتی ہے، بلانا یاد نہیں رہا ہوگا!

گاؤں کی زندگی ہمارے لیے انوکھی ہی تھی، جہاں آپ اپنے نام کی وجہ سے کم اور اپنی ذات سے وابستہ لوگوں کی وجہ سے زیادہ جانے جاتے ہیں۔ شروع میں تو ہمیں ہر چہرہ ہی اجنبی لگا لیکن جب کسی نے ہمارا تعارف ''وہ ماسٹر کرم دین نہیں تھا، اس کی بہو ہے''، اور ''بھائی منور دین کی دوہتی'' کہہ کے کرایا تو سبھی شناسا نکل آئے! کچھ ہی دیر بعد ہم خواتین سے باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ ہمیں کوئی ہوش ہی نہ رہا کہ بچے کدھر ہیں۔ اچانک ہماری نظر ایک بچے پہ پڑی جو اپنی ماں کے پیچھے چھپ کر بسکٹ کھا رہا تھا تو بے اختیار ہمیں صارم یاد آیا۔ ''وہ پاس ہوتا تو شاید وہ بھی اسی طرح باقی بچوں سے بسکٹ چھپا کر کھا رہا ہوتا۔'' ہم نے سوچا اور اچانک ہی خیال آیا۔ ''اوہو بچے کدھر ہیں؟'' ہم نے بے چین ہو کے نظریں دوڑائیں لیکن سارب اور صارم کا کہیں نام و نشان نہ تھا! منتشم پہلے ہی اپنے ابو کے ساتھ مردانے میں تھا۔

''سارب اور صارم آپ کے پاس آئے ہیں کیا؟''

ہم نے موبائل سے میاں کو میسج کیا۔

''نہیں تمہارے پاس ہی تھے۔ اگر نہیں مل رہے تو صارم تو جہاں دیگیں پک رہی ہیں وہاں ہوگا اور سارب بھی اسی کے ساتھ ہوگا۔'' میاں کا جواب آیا تھا لیکن ہماری تسلی نہ ہوئی۔ ہماری بے چینی عورتوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

''ارے اِدھر ہی کھیل رہے ہوں گے۔''

''بچے سب کے سانجھے ہوتے ہیں، اگر کوئی نہ بھی کہے پھر بھی اس کے بچوں کا خیال رکھا جاتا ہے، فکر نہ کرو۔''

''لیٹرین گئے ہوں گے۔''

غرض ہر کوئی اپنے اپنے انداز سے ہمیں تسلی دے رہا تھا۔

'اماں! مرغیوں دے ٹوکرے تھلے کوئی ہے گا۔'' اچانک ایک چھے سال کے بچے نے آ کر اپنی ماں کو بتایا تو ہمارے کان کھڑے ہو گئے۔

''تواڈے پت ہی نہ ہون!'' (تمہارے بیٹے ہی نہ ہوں)۔ اس کی اماں نے ہم سے ہنس کے کہا تو ہم بھی زبردستی مسکرا دیے۔ پھر اس بچے کی رہنمائی میں صحن کے ایک جانب بنے مرغیوں کے بڑے سے ٹوکرے کی جانب بڑھے جس کے نیچے عموماً رات کو مرغیوں کو بند کیا جاتا ہے۔ ٹوکرا اٹھایا تو اس کے نیچے سے مرغی کی بجائے واقعی ہمارا چھوٹا سپوت برآمد ہوا۔

''سارب! تم ادھر کیا کر رہے تھے؟''

ہمیں غصہ آیا۔

''امی جی! صارم بھیا نے مجھے ٹوکرے کے نیچے بند کر کے اوپر اینٹ رکھ دی تھی اور کہا تھا کہ میں جب تک انڈا نہ دے دوں، وہ ٹوکرا نہیں اٹھائیں گے۔'' سارب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''صارم کدھر ہے؟ میں اسے ٹھیک کرتی ہوں۔'' ہم نے سارب کو گود میں اٹھایا اور صارم کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

''خالہ! مرغی دے ڈربے وچ وی کوئی ہے۔'' جس بچے نے سارب کو دریافت کیا تھا، اسی نے یہ اطلاع بھی دی۔ ہم پاس ہی بنے مرغی کے ڈربے کی طرف بڑھے۔ بیٹھ کے اس کے پٹ کھولے اور غصے میں صارم کی کمر پہ زور سے چپت لگائی۔

''تم ادھر کیا کر رہے ہو؟'' ہماری آواز سن کے صارم گھبرا گیا۔

''امی جی! انڈے ڈھونڈ رہا ہوں، بھوک لگی ہے۔''

''تم نکلو باہر، میں تمہیں انڈے کھلاتی ہوں۔'' سچ میں ہمیں صارم پہ بہت غصہ آ رہا تھا۔

''نکلا نہیں جا رہا امی! میں پھنس گیا ہوں۔'' صارم نے مسکین سی شکل بنائی تو ارد گرد کھڑے بچے کھلکھلا کے ہنس پڑے۔ ان کے لیے تو یہ ایک اچھا خاصا تماشا تھا۔

''جس طرح اندر گئے تھے، اسی طرح نکلو باہر۔'' آخر بڑی مشکل سے، ٹیڑھا میڑھا ہو کے صام اپنے کپڑوں میں مرغیوں کی ڈھیر ساری بیٹیں اور ہاتھ میں ایک عدد انڈا دبوچے باہر نکل ہی آیا۔

''اف بھیا! آپ سے تو مرغی کی پوٹی کی بو آ رہی ہے۔'' سارب نے ناک پہ ہاتھ رکھ کے کہا تھا۔ ہماری عقل مندی کہ ہم نے بچوں کے کوئی بھی اضافی کپڑے ساتھ نہ رکھے تھے کہ اب تو یہ بڑے ہو گئے ہیں، اب کہاں کپڑے گندے کریں گے اور ویسے بھی شام کو ہم نے واپس آ جانا تھا۔

میزبان نے اپنے بیٹے کا ایک عدد سوٹ ہمیں عنایت کیا جو ہم نے صارم کو پہنایا، دلہن کو پیار کے ساتھ تحفہ دیا، کھانے کے بعد خالص دودھ کی بنی دودھ پتی پی اور واپسی کی راہ لی۔ گاؤں سے نکلتے ہوئے سارب نے بھی وہی سوال کیا تھا جو ایک انگریز نے دیواروں پہ لگے اپلے دیکھ کر کیا تھا۔

''امی جی! بھینسیں دیواروں پہ چڑھ کے پوٹی کیسے کرتی ہیں؟!''

اسماء صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم

بچوں کے نام:

سُهَيْل	آسانی وسہولت والا، روشن ستارہ
سَهْل	آسان، نرم

بچیوں کے نام:

غَنِيَّه	مال دار
عَاضِرَه	روکنے والی

بزمِ خواتین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

❖ شمارہ 633 ہاتھ میں ہے، سرورق پر کڑکتی بجلیاں دیکھ کر ہم تو ہل کر رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ سب پر اپنا فضل وکرم فرمائے۔ پیام سحر میں بہنوں سے چند باتیں بہت ہی قیمتی باتیں ہیں جن کو ہم تمام خواتین کو اپنے پلو سے باندھ لینا چاہیے۔ اہلیہ محمد شاکر صاحب نے اپنی بھولی والدہ صاحبہ کا ذکر کیا، اچھی تحریر ہے۔ واقعی دنیا میں ایسے بہت لوگ ہیں جو سیدھے سادے مگر من کے سچے ہوتے ہیں، اللہ ان کی مغفرت فرمائیں۔ اثر جون پوری صاحب تو کسی بھی عنوان سے شعر کہیں، خوب ہی ہوتے ہیں۔ اہلیہ راشد اقبال کے شوہر علیل تھے یہ تو پتا تھا اب ان کی تحریر سے پتا چلا کہ کس قدر علیل تھے۔ اللہ تعالیٰ اہلیہ راشد اقبال پر ہر طرح سے کرم فرمائیں اور ان کے شوہر کو صحتِ کاملہ عطا فرمائیں آمین۔ حوریہ ذیشان نے پردہ دار خواتین کے لیے بہت مفید باتیں لکھی ہیں۔ رح بنت ڈاکٹر نور محمد صاحب نے اپنی تحریر میں جگنو کا ذکر کیا ہے پڑھ کر دل دکھی ہوا۔ بے شک ہم سب کو رب کی رضا میں راضی رہنا ہے، اللہ سب کے جگنوؤں کو چمکنا دمکتا رکھیں۔ ام ربیعہ صاحبہ نے بھی نئی ماؤں کے لیے بہت کارآمد مشورے دیے ہیں۔ مدیر محترم ایک بات پوچھنی تھی، اہلیہ راشد اقبال صاحبہ کی یہ جو بہت عمدہ سلسلہ وار کہانی چل رہی ہے طلوعِ سحر تو کیا یہ انہوں نے اپنے شوہر کی علالت سے پہلے لکھی تھی، کیوں کہ ہمارا تو یہ اندازہ ہے کہ شاید یہ انہوں نے پہلے ہی بھیجی ہے۔ ورنہ تقریباً دو ماہ سے تو وہ اپنے شوہر کی شدید علالت کی وجہ سے بے حد پریشان ہیں۔ کس طرح لکھ پائیں گی۔ (ام عبدالحئی۔ قصبہ موڑ کراچی)

> **ج: یہ قسط وار کہانی چار سال پہلے انہوں نے بھیجی تھی۔ قسط وار کہانیاں شائع ہونے میں تین سے چار سال لگ جاتے ہیں!**

❖ شمارہ 632 مجھے ابھی نہیں ملا تھا۔ صبح آٹھ بجے امینہ بتول کا میسج موصول ہوا کہ آپ کی تحریر اس بار کے شمارے میں آئی ہے، بہت منفرد اور اچھی تحریر ہے۔ میرا دل اچھل کے حلق تک ہی تو آ گیا۔ اتنی اچھی اور قابل لکھاری سے اپنی تعریف سن کر بہت حیرت ہوئی۔ درحقیقت یہ امینہ بتول کی اعلیٰ ظرفی ہے ناں! اسی شمارے میں امینہ بتول نے تمثیلی کہانی دراصل کمال کی تحریر تھی۔ دل خوشی سے بے قابو ہوا جاتا ہے کہ اس رسالے کو رب کریم نے بڑے بڑے قابل لکھاریوں سے نوازا ہے۔ ماشاء اللہ! سارہ الیاس کی ایک اداس شام سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ بہت شکریہ سارہ جی! خولہ بنت سلیمان کے بھانجے وقاص کی موت اور کنزٰی، حسن، روبیحہ کا حال پڑھ کر دل خون کے آنسو رو دیا۔ میری دلی دعائیں خولہ آنٹی کے گھرانے کے لیے۔ (بنت مولانا سیف الرحمٰن قاسم۔ گوجرانولہ)

❖ شمارہ 632 میں بہن سارہ الیاس کی ایک اداس شام پڑھی۔ واہ بھئی! کیا کہنے ایک منفرد اور توجہ طلب موضوع اور اس میں بھی مسکراہٹ کا ہلکا سا ٹچ کہ، کمال کا لکھتی ہیں آپ، مجھے آپ کا ہر انداز پسند ہے۔ اللہ کریم مزید ترقی نصیب فرمائیں۔ خولہ آنٹی کی آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں پڑھی، مرحوم کے اہل خانہ کے غم کا تصور کر کے دل غم سے بھر گیا، اللہ کریم مرحوم کو غریقِ بحرِ رحمت فرمائیں اور تمام اہل خانہ کو صبر کامل عطا فرمائیں۔ یہ تحریر پڑھ کر پٹیل ہاسپٹل کا وہ گہرا سنجیدہ سا ماحول نگاہوں میں گھوم گیا، جب میں خود 15 مئی 2014ء کو دماغی چوٹوں کے سبب پٹیل ہاسپٹل کے آئی سی یو میں تھی۔ اللہ کا بڑا کرم ہوا۔ الحمدللہ نئی زندگی ملی، ورنہ ظالموں نے تو کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ واقعی جسے اللہ اپنے پاس بلانے کا ارادہ فرمالیں، ساری دنیا مل کر بھی اسے نہیں بچا سکتی، اور جسے اللہ زندگی دینا چاہیں کوئی کتنی تدابیر کرلے اسے مار نہیں سکتا۔ جب تک اللہ نہ چاہیں۔ آپا اہلیہ راشد اقبال کی قسط وار طلوعِ سحر اپنی نوعیت کی بالکل منفرد کہانی ہے۔ الگ سا دلچسپ موضوع...... اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ آپا ساجدہ غلام محمد کی 'مری کی سوغات' پڑھ کر تو خواہ مخواہ سر میں کھجلی ہونے لگی، ساجدہ آپا آپ کی بے ساختگی لیے ہوئی تحریریں پڑھ کر تو اچھا بھلا بندہ پھڑک جائے۔ اچھا یہ تو بتا دیجیے کہ مری کی سوغات واقعتاً صرف جوئیں ہی تھیں یا اور بھی کچھ؟؟ (جویریہ انجم۔ کراچی)

❖ شمارہ 635 پر تبصرہ حاضر ہے۔ سرورق بس ٹھیک تھا کچھ اتنا خاص نہیں تھا۔ پیام سحر پڑھا جو شروع سے ہی ہمارا پسندیدہ سلسلہ رہا ہے، اس لیے ناپسندیدگی کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ حدیث ضیافت کے بہترین مضمون میں بلقیس احمد حسن فاروقی نے اپنا تجربہ بیان کیا۔ لالیک مسز اسما شاکر عثمانی نے بہترین تحریر لکھی۔ بھابھی اور بریہ پڑھ کر ہنسی آئی۔ خواتین کے دینی مسائل پہ انسان کیا تبصرہ کرے۔ مسکراتا چہرہ شاہ احمد کے اوپر ظلم پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے، لیکن اللہ بھی بڑا غفور الرحیم ہے، وہ ہر ایک کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ ہمیں اس وجہ سے نہیں یاد دلائے جائیں کہ ہماری توبہ قبول نہیں ہوتی بلکہ گناہ اس وجہ سے ہمارے پیچھے آتے ہیں، تاکہ ہم انہیں دوبارہ کرنے کے بارے میں سوچیں بھی ناں اور ان سے ہمیں عبرت حاصل ہوتی رہے۔ اثر جون پوری کی نظم 'آج بھی ہے' اچھی تھی۔ طلوعِ سحر اچھا جا رہا ہے۔ اپنا اپنا ہر ایک کا گہنا اچھا موضوع تھا۔ بنت محمد عثمان سے نفس اور شیطان میں واضح فرق پتا چلا۔ حفصہ فیضی کا نانو پہ مضمون بھی اچھا رہا۔ ام دانیال کی 'وہ برابر دیکھ رہا ہے' بھی بہت پسند آئی۔ (حافظہ ہاجرہ عزیز۔ لاہور)

❖ شمارہ 640 ملا۔ پیام سحر اچھی اچھی نصیحتوں سے بھرپور تھا۔ ہم نے پڑھتے ہی عمل کی نیت کرلی۔ باقی شمارہ بھی اچھا تھا۔ ماشاء اللہ بنت مولانا سیف الرحمٰن قاسم اچھی لکھنے لگی ہیں، ان سے درخواست ہے کہ بے شک کم لکھیں لیکن تسلسل سے لکھیں۔ "میرے والدین" بھی زبردست تھی۔ "طلوعِ سحر" بہت زبردست جا رہا ہے، اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔ نوید صدیقی کی کہانی "توفیق" تھی، لیکن کمپوزنگ میں "ق" کا ایک نقطہ رہ گیا۔ اہلیہ ڈاکٹر ناصر الدین سید ہمیشہ مفید مضمون کے ساتھ آتی ہیں۔ لکھتی رہیں، اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے ہمیں دواؤں کا اور آپ کو دعاؤں کا! (خدیجہ بنت اکمل حسن۔ کوئٹہ)

❖ شمارہ 641 سامنے ہے۔ سرورق اچھا تھا۔ خوب صورت انداز میں لکھی گئی آیت مبارکہ اور نیچے شاید مسجد الحرام یا مسجد نبوی ﷺ کی تصویر تھی۔ اس دفعہ شمارے میں مضامین کی تعداد زیادہ تھی شاید رمضان کی وجہ سے، لیکن اچھی بات ہے، کبھی کبھی اس طرح بھی اچھا لگتا ہے۔ باقی خود فریبیاں آج کے زمانے کے جھوٹے خیالات کی عکاسی کر رہی تھی۔ اور رونقِ رمضان کی بہت اچھی کہانی تھی، لیکن آج کل ساسوں کو ایسے نصیحت کی جائے تو گستاخ کا لقب ملتا ہے۔ صبا یونس قریشی تو ہر جگہ چھائی ہوئی ہیں۔ میرا سائبان خواتین کا اسلام تو ایک حقیقت ہے۔ میرے خیال میں کوئی ایسی قاریہ نہیں ہو سکتی جس میں کوئی تبدیلی، کوئی فرق نہ آیا ہو۔ اگر کوئی ہے ایسی جس کو خواتین کا اسلام سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو وہ بتا دے، چیلنج ہے۔ میری ماں تحریر پڑھ کر حیرت ہوئی۔ ماں پر نہیں قرأت پر کہ وہ شادی شدہ ہیں، ہم تو انہیں کنواری بلکہ 20، 18 سال کا سمجھتے تھے۔ (خدیجہ بنت اکمل حسن خان۔ کوئٹہ)

> **ج: کیوں کیا بیس سال سے کم عمر میں بچیوں کی شادی نہیں ہوتی؟ ہماری نانی مرحومہ کی شادی تیرہ سال کی عمر میں ہوگئی تھی، جب کہ نانا سولہ سال کے تھے!**

اعلان داخلہ
جامعہ خورشید الاسلام
لبنات المسلمین
گڈاپ وگلشن اقبال کیمپس
شعبہ حافظات
شعبہ فاضلات
(کتب)
درجہ عامہ (رہائشی)
درجہ خاصہ (غیر رہائشی)
۱۸ ایکڑ پر مشتمل باغات کے جھرمٹ میں خوبصورت اور پرفضا تعلیمی وتربیتی ماحول
تاریخ داخلہ
10 تا 12 اگست
صبح 8 تا 12
نوٹ: درخواست مع کوائف و تعلیمی اسناد ہمراہ لائیے
ایڈریس: ڈی ۱ / ۲۴ بلاک ۱۷ گلشن اقبال، نیشنل اسٹیڈیم کے پیچھے
رابطہ: 0301-8228230/0334-3481519